اگست / ستمبر 1989ء

ماہنامہ

المرشد

لاہور

سالنامہ

1+3+4+4=12
93+91+90+89

اُبھرتے ڈُوبتے سُورج ——
جس میں سفر بھی ہے سیر بھی ہے
مزاح بھی ہے۔ تہذیبِ مغرب کی
عکّاسی اور تجزیہ بھی ہے
صفحہ ۷۶

جمہور
کا ایک نیا اندازِ
حکومت
صفحہ ۳۵

جن کو اِسلام آتا ھے وہ
مَسجد کی چَار دیواری سے
باھر نہیں نکلتے۔
جن کو حکومت کا کام آتا
ھے اُن کو کلمہ تک صحیح
پڑھنا نہیں آتا۔ اسلام کیسے
نافذ کرو گے؟
صفحہ ۲۹

ایک محبُوب کے کئی چاہنے والے
آپس میں جانثار رفیق
بن گئے۔
صفحہ ۶۱

تصوّف کیا ہے؟

لُغت کے اِعتبار سے تصوّف کی اصل خواہ صوف ہو اور حقیقت کے اِعتبار سے اس کا رشتہ چاہے صفا سے جا ملے، اِس میں شک نہیں کہ یہ دِین کا ایک اہم شعبہ ہے جس کی اساس خلوص فی العمل اور خلوص فی النیّت پر ہے اور جس کی غایت تعلق مع اللہ اور حصُولِ رضائے الٰہی ہے۔ قرآن و حدیث کے مطالعے، نبیٔ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اُسوۂ حسنہ اور آثارِ صحابہ رضؓ سے اس حقیقت کا ثبوت ملتا ہے۔

(دلائِل السُّلوک)

ماہنامہ المرشد لاہور

یکے از مطبوعات:
ادارہ نقشبندیہ اویسیہ۔ دار العرفان۔ منارہ۔ ضلع چکوال

اگست/ستمبر ۱۹۸۹ء
محرّم/صفر ۱۴۱۰ھ

اس شمارے کی قیمت ۱۵ روپے ہے

شمارہ : ۱-۲
جلد : ۱۱

بدلِ اشتراک

فی پرچہ	۱۰ روپے
ششماہی	۵۵ روپے
چندہ سالانہ	۱۰۰ روپے
تاحیات	۷۰۰ روپے

غیر ملکی

سری لنکا۔ بھارت، بنگلہ دیش	۲۰۰ روپے
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات اور مشرقِ وسطیٰ کے ممالک	۵۰ سعودی ریال
تاحیات	۳۰۰ سعودی ریال
برطانیہ اور یورپی ممالک	۱۰ سٹرلنگ پونڈ
تاحیات	۵۰ سٹرلنگ پونڈ
امریکہ اور کینیڈا	۲۰ امریکن ڈالر
تاحیات	۱۰۰ امریکن ڈالر

رقم / چندہ مضامین برائے اشاعت،
تبصرے، شکایات اشتہارات وغیرہ

بھیجنے کے لیے

المرشد، دیگر مطبوعات اور کیسٹ وغیرہ

منگوانے کے لیے

انچارج اویسیہ کتب خانہ

الوہاب مارکیٹ، غزنی سٹریٹ

اُردو بازار، لاہور۔ فون ۲۲۰۳۵۷

ماہنامہ **المُرشد** کے:

بانی : حضرت العلّام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ
مجدّد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست : حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدّظلہ
شیخِ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

مشیر اعلیٰ نشر و اشاعت: پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم۔اے (عربی) ایم۔اے (اسلامیات)

ناظم اعلیٰ : کرنل (ریٹائرڈ) مطلوب حسین

فہرست

	صفحہ نمبر
اداریہ	۴
ہدایات	۵
سوال آپ کا، جواب شیخ المکرم کا	۱۱
گنبدِ خضریٰ کی روشنی (نظم)	۱۳
کیا کھویا؟ کیا پایا؟	۱۴
تصوف کا پہلا باب	۲۰
اسلام اور نظریہ اکثریت	۲۹
نیا اندازِ حکومت	۳۵
علم الغیب	۴۰
ایک خط	۴۸
مقامِ تجلیات	۵۰
محرّم کا احترام	۵۲
علومِ دین و دنیا	۶۱
نمازِ وتر۔ طریقہ حنفیہ	۶۹
محبت	۷۱
توحیدِ باری تعالیٰ	۷۴
اُبھرتے ڈوبتے سورج (پہلی قسط)	۷۶
میری عظیم بہن	۹۲
دنیا آخرت کی کھیتی ہے	۹۴

مدیر : تاج رحیم

ناظم طباعت : سیّد اکرام الحق

شعبۂ اشتہارات

ناظم اشتہارات : سیّد اکرام الحق	لاہور	ٹیلیفون	۲۲۰۳۵۷
تاج رحیم	لاہور	"	۸۷۷۲۴۹
نصر اللہ بٹ	گوجرانوالہ	"	۸۸۴۴۴
امان اللہ ملک	گجرات	"	۳۴۶۶
عبدالجبار ایڈوکیٹ	فیصل آباد	"	۲۴۱۵۵ ۴۱۱۵۶
زاہد محمود	راولپنڈی	"	۸۴۵۴۷۵
لیفٹیننٹ کرنل (ریٹائرڈ) محبوب خان	کراچی	"	۵۴۴۹۹۰

آرٹ : محمد علی شاد مناوری

خطاطی : ظفر اقبال

سرورق : صلاح الدین ایوبی

پبلشر : حافظ عبدالرزاق

پرنٹر : عالمین پرنٹنگ پریس لاہور

اداریہ

محرم الحرام کا اعلان پھر سے ہوا۔ عمرِ عزیز کا ایک سال اور گیا۔ خیر القرون سے دوری میں ایک سال کا مزید اضافہ ہوا اور شاید حسبِ روایت ہمارا یہ مبارک مہینہ بھی ذاتی مفادات کو دینی رنگ میں حاصل کرنے کی نذر ہو گا یہ کم از کم وطنِ عزیز کا بہت بڑا المیہ ہے۔ کروڑوں روپے بے شمار زورِ قلم اور بے حساب زورِ بیان صرف ہوتا ہے مگر ملک اور قوم کو اس سب کے نتیجے میں شاید بدامنی فساد اور خون خرابے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

کیا یہ سب کچھ ایسا ہی رہے گا اور ہم ہمیشہ یہی حالات و واقعات دیکھتے اور برداشت کرتے چلے جائیں گے؟

کیا جس مقدس اور اللہ کے پسندیدہ مذہب کے سال کا یہ افتتاحی مہینہ ہے اس مذہب میں یہ سب کچھ کرنے کی اجازت ہے؟

کیا جس عظیم ہستی یعنی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مبارک نام پر یہ سب ہوتا ہے ان کے نزدیک یہ پسندیدہ شغل ہے۔ اگر نہیں تو ہم کب سوچیں گے۔؟

خانوادۂ نبوت کی مظلومانہ شہادت اپنے اندر بے شمار پہلو رکھتی ہے اور اس کا ہر پہلو قوم کے لیے درسِ حیات ہے۔ منجملہ ایک پہلو یہ بھی ہے اور غالباً اس پہلو پر بھی کسی مکتبِ فکر کو اعتراض نہ ہو گا کہ نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قومی مفادات پر نہ صرف ذاتی مفادات کو نہ صرف اپنی جان کو بلکہ اپنے خاندان کو نچھاور کر دیا ایک ایسا خاندان جس کی مثال روئے زمین پر کوئی دوسرا خاندان نہ تھا۔ کس قدر قیمتی جانیں تھیں وہ اس کے لیے اتنا کافی ہے کہ یہ وہ مقدس و مطہر و مبارک وجود تھے جن کی رگوں میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک خون رواں تھا یہ زمین پر اللہ کی نشانیوں میں سے عظیم نشانیاں تھیں مگر قومی مفادات کے تحفظ کا سوال اتنا ہی اہم ہوتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سب کچھ اس پر نچھاور کرتے چلے گئے کاش ہم بھی ذاتی مفادات کے چھوٹے چھوٹے چکروں سے خود کو آزاد کرا سکتے۔ کاش ہماری نگاہ میں بھی قوم کی اہمیت اپنی اصلی حیثیت میں جلوہ گر ہوتی وہ قوم جو اسلام کی امین ہے اسے چند ٹکڑوں کے حصول کی خاطر آپس میں نہ لڑاتے تقسیم در تقسیم کرتے نہ چلے جاتے اسے کاش ہمارے ان بھائیوں، بزرگوں اور رہنماؤں کو کبھی خیال آتا اللہ کریم نے روئے زمین کا بہترین خطہ ایک آزاد ملک کی صورت میں ہمیں بخشا ہے ہم اس کی تعمیر پر اپنی توانائیاں خرچ کرتے کاش ہم دین سیکھنے جاننے پر توجہ دیتے اس پر عمل کیسے ہمیں اللہ کریم سے توفیق طلب کرتے کہ وہی کارساز بھی ہے اور کریم بھی ہے۔

اللہ اس نئے سال کو تمام مسلمانانِ عالم کے لیے اور خصوصاً اہلِ وطن کے لیے مبارک کرے نیکی اور بھلائی کی توفیق ارزاں فرمائے اور برائی کے راستے سے محفوظ رکھے آمین

فقیر محمد اکرم

ہدایات

(شیخ المکرم دامت برکاتہم)

سورۃ یونس کی یہ آیات جو میں نے تلاوت کی ہیں اور ان کے حوالے سے جو کچھ میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ وہ ہمارے اس حلقۂ ذکر کے لیے، ہمارے سلسلہ کے لیے، ہمارے مشن کے لیے، یا جو دینی خدمت ہم کر رہے ہیں۔ اس کے لیے اثاث اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ سلوک و تصوف، یہ چیز کیا ہے؟ اس کے متعلق مختلف آرا و پائی جاتی ہیں۔ کچھ لوگ بڑے پرزور طریقہ سے کہتے ہیں کہ جب اللہ کی کتاب موجود ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپ کی سنت اور آپ کی حدیث موجود ہے۔ تو پھر کسی تیسری چیز کی ضرورت کیا ہے۔ اس لیے کہ حضور صلعم کا یہ ارشاد بھی موجود ہے، کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب اور ایک اپنی سنت۔ جب تک تم ان دونوں کے ساتھ سختی سے چمٹے رہو گے، تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔ اس لیے کسی تیسری چیز کی ضرورت ہی نہیں۔ ان کے مقابلے میں ایک طبقہ مسلمانوں کا ہے۔ جس کا کہنا یہ ہے کہ جس کسی کا پیر نہ ہو، یا جو کسی کا مرید نہ ہو۔ اس کی تو نجات بھی مشکل ہے یہ جائے کہ وہ اچھا مسلمان ثابت ہو سکے۔ بلکہ کچھ اسطرح کے حوالے دیئے جاتے ہیں کہ جس کا شیخ نہیں ہوتا، اس کا شیخ یا پیر شیطان ہوتا ہے۔ یہ اس کے مقابلے میں دوسری رائے ہے۔

ایک تیسری رائے ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ جو کچھ تصوف کے نام پر کیا جاتا ہے یہ ایک متوازی اسلام ہے اور یہ ہندوؤں سے سیکھا گیا ہے۔ ہندو شعبدہ بازی جانتے تھے اور اس قسم کے خفیہ اور پراسرار علوم میں مہارت رکھتے تھے۔ وہاں سے مسلمانوں نے یہ بھی اخذ کر لیے۔ اس کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اس کے مقابلے میں جو چوتھی رائے یا مسلمانوں کا چوتھا طبقہ عمل کرتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر کام میں اپنے پیر کا تعاون ضرور چاہتے ہیں۔ ان کی گائے بیمار ہوتی ہے تو ان کا پیر اسے شفا دیتا ہے۔ ان کا بچہ روتا ہے تو پیر بہلانے کیلئے موجود ہے۔ ان کی بیوی کو چھینک آتی ہے تو اسے سہارا دینا پیر کا کام ہے، ان کا مکان گرتا ہے تو پیر سنبھالتا ہے اور جو کچھ انہیں مل رہا ہے وہ پیر ہی دے رہا ہے۔ اگر پیر نہ ہو تو انہیں شاید دانہ پانی بھی نہ ملے۔ یہ ان کا نظریہ اور عقیدہ ہے۔

اس عالم ہاؤ ہو میں اور اس افراتفری میں اور اس دار و گیر میں اللہ کریم نے ہمیشہ ہدایت کی شمع فروزاں رکھی ہے اور

ہمیشہ رکھے گا۔ یہ اس کا فیصلہ ہے کہ تعلیماتِ نبوی کے ساتھ برکاتِ نبوی اور فیوضاتِ نبوی اپنی جامع صورت میں جسطرح سے مخلوق تک پہونچے اس طرح سے پہونچتے رہے ہیں۔ پہونچ رہے ہیں، پہونچتے رہیں گے، جب تک اللہ اس دنیا کو قائم رکھنا چاہے گا۔ اب اس کی صورت کیا ہے۔ اور وہ تصوّف کیا ہے۔ جسے ہم برکاتِ نبویؐ کہتے ہیں؟ د، یہ ہے کہ انسان کے دل میں، اس کے باطن میں، اللہ پہ بھروسہ کرنے کی صلاحیت پیدا ہو۔ یہ صلاحیت ایک کیفیت ہے، ایک حالت ہے۔ جو محض کتابیں پڑھنے سے نہیں آتی۔ آپ جانتے ہیں کہ کتابیں پڑھ کر کبھی کوئی حکیم نہیں بنا۔ کتابیں پڑھ کر کبھی کوئی ڈاکٹر نہیں بنا۔ کتابیں پڑھ کر کبھی کوئی انجینئر نہیں بنا۔

ایک سٹیج پر پہنچ کر تھیوری کے ساتھ ہمیشہ پریکٹیکل ہوتا ہے اور وہ پریکٹیکل یا عمل اسے ڈاکٹر یا انجینئر یا اس فن کا ماہر بناتا ہے۔ اسی طرح کتابیں تھیوری تو دیتی ہیں۔ لیکن وہ جذبہ، وہ کیفیات اور دل کی وہ حالت کہ کتاب سے جوڑا جائے، کتاب کا جو لفظ سنا جائے اسے اپنانے کو جی چاہے، اس پر عمل کرنے کو جی چاہے۔ یہ کیفیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبتِ عالی میں تقسیم ہوا کرتی تھی۔ یعنی کتاب یہی تھی اور کائنات میں سب سے بہترین پڑھنے والے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ کی زبانِ مبارک سے سن کر بھی کافروں کو ایمان تک نصیب نہ ہوا۔ اور کافر کفر پہ مر گئے۔ لیکن جسے ایمان نصیب ہوا۔ آپ کی مجلس میں وہ بیک نگاہ مقامِ صحابیت پہ فائز ہو گیا۔ اگر کوئی صحابی نہیں بن سکا اور اسے ایمان نصیب ہو گیا۔ اور وہ نیک بن گیا۔ متقی بن گیا پھر بھی اس کی اور صحابی کے دل کی کیفیت میں اتنا فاصلہ ہو گیا کہ حضورؐ کا ارشاد موجود ہے کہ صحابی مٹھی بھر جو صرف کرتا ہے تو بعد میں آنیوالا اللہ کی راہ میں اُحد کے برابر خرچ کرے۔ تو ثواب میں اس مٹھی بھر جو کو نہیں پہونچتا، کیونکہ وہ جس قرب کی کیفیت سے خرچ کرتا ہے وہ کیفیت اسے نصیب نہیں ہوتی۔ یہ جو فیضِ صحبت تھا، یہ کیا تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو اللہ کے روبرو کر دیا اور اللہ کے کلام کو وہ بالکل اس یقین کے ساتھ سنتے تھے جیسے خود اللہ سے انہیں شرفِ ہمکلامی حاصل ہو اور اس اعتماد سے اس پر عمل کرتے تھے کہ جو کچھ ہے، یہ واقعی حق ہے۔ یہی کیفیات جب سینہ بہ سینہ آگے چلیں تو ان کیفیات کو پہونچانے اور سکھانے کا جو فن تھا یا جو علم تھا اس کا، نام تصوّف پڑ گیا جس طرح مختلف فنون کے نام فقہ، حدیث، تفسیر، مختلف شعبے تقسیم ہوئے مختلف فنون کے مختلف نام بنے۔ اس طرح ان کیفیات کو بانٹنے کا نام تصوّف پڑ گیا۔ تو اب تصوّف کیا ہے؟ تصوّف یہ ہے کہ سینہ میں وہ قوت، وہ نورانیت، وہ جذبہ، وہ کیفیت موجود ہے۔ اس کے پاس بیٹھنے سے ہمارے دل میں بھی وہ کیفیت آجائے کہ ہم اپنے آپ کو اللہ کے روبرو محسوس کریں۔ ہم اپنے رب کو اپنے پاس موجود پائیں، ہمیں یہ یقین آجائے کہ واقعی میرا رب میری ضروریات سے واقف ہے۔ ہمیں یہ یقین ہو جائے کہ واقعی یہ کائنات اس کی ہے اور اس میں اس کا حکم نافذ ہے اور وہی اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔ لیکن جب یہ کیفیات ختم ہو گئیں یہ برکات نہ رہیں تو واقعی اس کی جگہ ہندوانہ رسومات نے لے لی۔ جس طرح ہندوؤں میں برہمن درمیان میں آگیا یا عیسائیت میں پادری درمیان میں آگیا۔ ہم مسلمانوں میں پیر درمیان میں آگیا اور ہم نے یہ سمجھا کہ ہماری رسائی تو پیر تک ہے۔ اس سے آگے پیر جانے اور خدا جانے۔ اس حالت کو دیکھ کر کچھ مسلمانوں نے کہا، کہ ہمارا تصوّف بھی شاید ہندوؤں سے ماخوذ ہے۔ دوسروں نے کہا یہ ایک متوازی اسلام ہے۔ تیسروں نے کہا کہ اس کا اسلام میں کوئی وجود ہی نہیں۔ یہ کہنے والے سب ہماری اس حالت کو دیکھ کر کہتے ہیں۔ لیکن اگر ان سب

کو یہ معلوم ہو جائے یا انہیں کسی ایسے صاحب حال یا صاحب دل کے پاس چند روز، چند ساعتیں، چند لمحے بیٹھنا نصیب ہو کہ خود ان کے دل کی کیفیت میں کوئی مثبت تبدیلی آجائے۔ تو انہیں بھی انکار کرنے کی شاید ضرورت پیش نہ آئے۔ انکے انکار کا سبب بھی ہماری کمزوریاں ہیں۔ پیروں کی بھی اور مریدوں کی بھی۔

ان آیات میں اس سارے جھمیلے کا حل بڑے خوبصورت انداز میں ارشاد فرمایا ہے۔ فرمایا۔ سن غور سے، پوری طرح متوجہ ہو کر سن لیجیے۔ کان کھول کر سن لیجیے۔ "اَلَآ" اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے۔ "اِنَّ" یہ پکی بات ہے۔ 'اَلَآ' کے بعد پھر 'اِنَّ' کے ساتھ تاکید، اسے مؤکد کیا۔ یہ بڑی یقینی بات ہے۔ "اولیاء اللہ" ایسے لوگ جنہیں اللہ کی ولایت حاصل ہو جاتی ہے۔ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ نہ انہیں آئندہ کا ڈر رہتا ہے۔ نہ کبھی وہ گزشتہ پر پشیمان ہوتے۔ خوف ہوتا ہے، کسی آئندہ حادثے کا خطرہ، حزن ہوتا ہے، جو کچھ بیت چکا ہے۔ اس کا دکھ یا پریشانی۔ تو فرمایا، ولایت الٰہی میں کمال یہ ہے کہ انسان اس قدر مطمئن ہو جاتا ہے۔ ایک مضبوط ہستی کے ساتھ اس کا تعلق ہو جاتا ہے۔ ایک طاقتور ہستی کے ساتھ اس کا رشتہ استوار ہو جاتا ہے۔ ایک عظیم پروردگار کے ساتھ اس کی نسبت ہو جاتی ہے۔ یوں تو ساری مخلوق اسی کی ہے۔ لیکن اس کا ایسا اعتماد قائم ہو جاتا ہے کہ جو گزر چکا ہے۔ اسے اس کا دکھ نہیں ہوتا، کہ لاکھوں پریشانیوں سے گزر کر آخر اپنی منزل تک تو پہنچ گیا۔ اور جو منزل پر پہنچ جائے وہ راستے کے دکھ بھول جاتا ہے اور آئندہ کیا ہو گا۔ اسے کوئی فکر نہ ہو کہ جب اللہ میرے ساتھ ہے تو کیا ہو گا۔ مجھے کیا فکر ہے۔ جو ہو گا، سو ہو گا، میرے لیے میرے رب کی حفاظت کافی ہے۔ اس آئندہ ہونیوالے میں خواہ آپ موت مابعد الموت، برزخ یا قیامت کے حادثے کو لے لیں تو آخرت کے بارے میں بھی اس آیت کریمہ میں ذکر موجود ہے۔ چونکہ آخرت بھی تو آنے والا حادثہ ہے۔ تو فرمایا۔ ولایت الٰہیات، اللہ کی دوستی تو اتنی عظیم چیز ہے۔ اب دیکھیں نا، کسی شخص کی دوستی اس ملک کے صدر کے ساتھ ہو تو اس ملک کے کسی محکمے کا خوف ہوتا ہے اسے؟ آپ کہتے ہیں۔ پولیس بڑی سخت ہے لیکن اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ آپ کہتے ہیں۔ انکم ٹیکس کا محکمہ بڑا سخت ہے۔ لیکن اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ آپ کہتے ہیں فلاں محکمے کی گرفت میں جو آجائے۔ اسے نہیں چھوڑتے۔ لیکن وہ شخص ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ سمجھتا ہے کہ جو شخص اس پورے ملک کے سارے محکموں پر حکومت کر رہا ہے جب میری دوستی اس کے ساتھ ہے، اس کا تحفظ مجھے حاصل ہے تو یہ چھوٹے موٹے محکمے میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ اب دوسری طرف آیئے۔ جس شخص کا تعلق اللہ کے ساتھ ہے، وہ کیا ان چھوٹے چھوٹے حادثوں کو خاطر میں لائے گا؟ اور اگر واقعی ہمیں ان چھوٹے موٹے حادثوں نے پریشان کر رکھا ہے تو ہمیں یہ سوچنا ہو گا، کہ کیا ہمارے دل کا تعلق اللہ سے ہے یا ہم محض رسمی کلمہ ہی پڑھتے ہیں۔ ایک ہوتا ہے محض رسماً زبان سے کلمہ کا اقرار کر لینا۔ یہ اور بات ہے اور ان کیفیات کو حاصل کرنا۔ یہ اور بات ہے۔ اب اس ہنگامۂ دار و گیر میں ہم جو بات لیکر بیٹھتے ہیں یہ بات بڑی نرالی ہے۔ بڑی عجیب اور بالکل انوکھی ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ میاں ہمارے پاس آؤ۔ کچھ لمحے بیٹھو۔ ہم تمہیں کوئی ایسا کام نہیں کہیں گے جو خلاف شریعت ہو۔ حدود شرعی کے اندر رہ کر حلال کھاؤ۔ نماز وقت پر پڑھو۔ ہمارے ساتھ بیٹھ کر صرف اللہ اللہ کی تکرار کرو۔ تو نہ صرف یہ کہ تمہارا دل ذاکر ہو جائے گا۔ تمہارا ہر عضو بدن بلکہ وجود کا ہر ذرا اللہ اللہ کرے گا۔ اس اللہ اللہ کرنے کا کیا فائدہ ہو گا۔ تمہیں اللہ پر اعتماد حاصل ہو جائے گا، تم اللہ کے ہو جاؤ گے۔ تمہیں اللہ ہوتے ہوئے

کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے حیا آئے گی۔ ولی اللہ کون ہوتے ہیں۔ "اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا" ایسے لوگ جنہیں کامل یقین حاصل ہو جاتا ہے۔ وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ اور انہیں پھر اللہ کے ساتھ وہ تعلق ہو جاتا ہے کہ اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے یا غیر اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہوئے اللہ سے حیا آتی ہے۔ پھر انہیں تقویٰ نصیب ہو جاتا ہے۔ تو گویا ہماری مثال یہ ہے۔ میں اپنے بارے عرض کردوں۔ میری مثال یہ ہے۔ جیسے دلدل کے درمیان کوئی پتھر پڑا ہو۔ جو گزرنے والوں کو دلدل میں گرنے سے بچانے کے لیے ہے۔ اپنے اوپر لوگوں کے پاؤں سہار کر انہیں دوسرے کنارے پہونچا دے۔ اس حد تک تو درست ہے لیکن اگر کوئی اسی پتھر کو کنارہ سمجھ کر وہیں ڈیرہ لگا لے تو وہ کبھی کسی کنارے نہیں پہونچ سکے گا۔ یا کوئی شخص یہ چاہے کہ اس کو بھی اسی دلدل سے اکھاڑ دے تو اس کا معنیٰ یہ ہو گا کہ وہ آئندہ آنیوالوں کے لیے راستہ بند کرنا چاہتا ہے اور یہ بھی سراسر زیادتی ہو گی۔ یہ سب میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ دنیا کا ایک قاعدہ ہے۔ بیماری کیلیے علاج ہے جسطرح ایلوپیتھی ہے جسطرح طب یونانی ہے۔ جس طرح مسنون دعائیں۔ طب نبویؐ میں علاج موجود ہے۔ اسی طرح بعض اوقات قرآن حکیم کی بعض آیات پڑھ کر پھونک مار دینے سے بھی اللہ شفا دے دیتے ہیں۔ لیکن اس کے جواز کی ایک حد ہے اور ایک ضمنی سی بات ہے کہ کبھی حرارت پڑ جائے تو کوئی اسے استعمال کر لے۔ لیکن اگر اس تعلق کو صرف تعویذ گنڈوں تک محدود کر دیا جائے تو یہ گمراہی ہو گی۔ یہ ہدایت کا راستہ نہیں ہو گا۔ یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ میں تنگ آچکا ہوں اس بات سے کہ لوگ مجھ سے تعویذ حاصل کریں۔ میرا یہ پیشہ نہیں ہے۔ میں خدا کے راستے میں دیوار نہیں ہوں۔ میرے پاس کوئی ایسا تعویذ نہیں ہے کہ اللہ کی مخلوق کی تعداد بڑھا سکوں یا گھٹا سکوں۔ کوئی ایسا تعویذ نہیں ہے کہ جسے خدا پیدا کرنا نہیں چاہتا۔ میں تعویذ لکھدوں، تو وہ آدمی پیدا ہو جائیگا۔ کوئی ایسا تعویذ میرے پاس نہیں ہے کہ جسے خدا پیدا کرنا چاہتا ہے۔ میں تعویذ لکھدوں خدا پروگرام بدل دے اور وہ پیدا ہونے سے رک جائے۔ جسے اللہ بیمار کرنا چاہتا ہے، اسے میں شفا نہیں دے سکتا۔ جسے رب شفا دینا چاہتا ہے۔ میں اسے بیمار نہیں کر سکتا۔ جسے اللہ دولت دینا چاہتا ہے میں اس کا دست قدرت نہیں روک سکتا۔ جس پر وہ مفلسی بھیجنا چاہتا ہے۔ میں اس کے خزانے سے چھین کر اسے کچھ نہیں دے سکتا۔ میں بالکل تمہاری طرح کا ایک آدمی ہوں۔ بعض اوقات تم سے بھی کمزور اور اس دفعہ میری صحت شاید تم سب سے زیادہ کمزور ہے جو خود بیمار ہوتا ہے، دوسروں کو شفا کیسے دے گا۔ جسے خود بھوک ستاتی ہے اس سے تم رزق کی امید کیوں وابستہ کرتے ہو۔ جو خود سو جاتا ہے وہ تمہاری نگہبانی کب کرے گا۔ اگر آپ یہ امیدیں لیکر میرے پاس آتے ہیں تو میرا خدا گواہ ہے، میں آپ کے کسی کام نہیں آسکتا۔ آج بھی کہہ رہا ہوں۔ میدان حشر میں بھی کہہ دوں گا کہ خدایا میں نے انہیں بتا دیا تھا۔ اگر یہ اپنے آپ کے ساتھ دھوکا کرتے تھے تو یہ خود کرتے تھے۔ ہاں میں یہ ڈنکے کی چوٹ کہتا ہوں کہ مجھ پر اللہ کا یہ احسان ہے کہ میں ایک نگاہ میں ایک شخص کے وجود کے ایک ایک ذرے کو اللہ کا ذکر سکھا سکتا ہوں۔ یہ مجھ پر اللہ کا احسان ہے۔ جس کام کیلیے برسوں لگتے ہیں۔ جس کے لیے بڑے بڑے صوفی برسوں وقت طلب کرتے ہیں۔ مجھے اللہ نے یہ قوت بخشی ہے وہ بات میں ایک لمحے میں کر سکتا ہوں۔ یہ اللہ کی عطا ہے۔ اگر تو آپ اس کے طالب ہیں تو یہ اس کے راستے کی ایک منزل ہے کہ اپنے ماحول میں پھیلی ہوئی دلدل میں آپ کو ایک مضبوط چٹان مل سکتی ہے۔ جس پہ آپ پاؤں رکھ کر اللہ کی بارگاہ تک تو پہونچ سکتے

ہیں۔ لیکن اس سے بُت نہیں تراش سکتے۔ مجھے یہ ہرگز پسند نہیں ہے کہ کوئی شخص مجھے غیر ضروری اہمیت دے۔ مجھے یہ ہرگز پسند نہیں ہے کہ کوئی شخص میرے ہاتھ کو بوسہ دے۔ مجھے سب سے زیادہ اس وقت غصہ آتا ہے۔ جب آپ مجھ سے غیر ضروری تعویذ طلب کرتے ہیں۔ میں تعویذوں کے خلاف نہیں ہوں لیکن میں اس بات کے خلاف ہوں کہ خدا کو بھول کر مخلوق پہ بھروسہ کر لیا جائے۔ تعویذوں کو بھی اس حد تک رکھیں۔ جس حد تک آپ میڈیکل سائنس سے مدد لیتے ہیں۔ جس حد تک آپ حکیم سے مدد لیتے ہیں۔ اس حد تک کسی نے دم کر دیا۔ یا تعویذ لکھ دیا۔ ہو سکتا ہے۔ ٹھیک ہو جائے ہو سکتا ہے نہ ہو۔ لیکن یہ کیا تُک ہے۔ گائے دودھ نہیں دیتی۔ بچہ روتا ہے۔ تو تعویذ لکھنے سے بچہ روئے گا نہیں، غزلیں پڑھنا شروع کر دے گا۔ بچہ روئے گا نہیں تو بچہ کرے گا کیا۔ رونے یا ہنسنے کے علاوہ بچہ کر بھی کیا سکتا ہے۔ بچے کو بھوک لگے گی۔ روئے گا۔ پیاس لگے گی روئے گا۔ بیمار ہو گا روئے گا۔ کوئی چیز مانگنی ہو گی روئے گا۔ ہر ضرورت کا اظہار وہ رو کر ہی کرے گا۔ وہ روئے گا، آپ متوجہ ہوں گے کہ اسے کیا چاہیئے۔ آپ ایمان سے بتایئے کہ ایک طرف جواہرات بٹ رہے ہوں اور وہیں گاجریں مولیاں بھی رکھی ہوں تو آپ کس طرف ہاتھ بڑھائیں گے؟ کیا کہیں گے آپ ؟ فی الحال تو گاجریں دے دیں۔ جواہرات بعد میں اگر لے لیں گے۔ وہاں چونکہ دنیا سامنے ہے۔ وہاں آپ کی عقل کام کرے گی کہ یہ جواہرات لے لو۔ گاجر مولیاں ہر جگہ ملتی ہیں۔ یہاں آپ کی عقل کیوں جواب دے جاتی ہے۔ میاں اللہ اللہ کر لو۔ یہ جنس نایاب ہے۔ بندے کو پیدا کرنا، مارنا اس کا اپنا کام ہے وہ کسی کے تعویذوں کا محتاج نہیں ہے۔ وہ ایسا قادر ہے کہ چاہے تو زندہ انسان کو ایک گھونٹ پانی کا نصیب کرے یا پینے سے روک دے۔ وہ روک سکتا ہے۔ اور میں بالکل ایک عام آدمی ہوں۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ کئی مہینوں سے میں نے چینی نہیں چکھی۔ اللہ نے مجھ پہ بند کر دی ہے۔ اس کی مرضی، ساری دنیا کھاتی ہے۔ میں نہیں کھا سکتا۔ میں بوریوں کے حساب سے خریدتا ہوں اور خود نہیں کھا سکتا۔ جس کا اپنا یہ حال ہے وہ آپ کی کیا مشکل کشائی کرے گا۔ لیکن اگر آپ اللہ اللہ سیکھتے ہیں۔ اللہ اللہ کرتے ہیں۔ آپ کے دل میں اللہ موجود ہے تو آپ کو ان چھوٹے چھوٹے کاموں کے لیے میری ضرورت کیوں پڑتی ہے؟ آپ اس اللہ سے کیوں نہیں کہہ سکتے۔ میں نے اپنے شیخ کے ساتھ ۲۵ برس گزارے ہیں۔ حاجی محمد خاں ہم سے پہلے سے حضرت جیؒ کے ساتھ تھے۔ ۲۲ سال راجہ محمد یوسف بھی ہمارے ساتھ رہے۔ انہیں میں سے کوئی میرے متعلق بتا دے کہ میں نے پچیس برس میں ایک بھی تعویذ لکھوایا ہو۔ کیا ہم انسان نہیں تھے۔ ہماری ضروریات نہیں تھیں۔ ہمیں دنیوی تکالیف نہیں ہوتی تھیں۔ ہم بیمار نہیں ہوتے تھے۔ ہمارے بیوی بچے نہیں تھے۔ سب کچھ تھا۔ لیکن شیخ سے جو کچھ ہم لینا چاہتے تھے وہ بہت قیمتی چیز تھی۔ وہ بہت ہی بڑھیا اور اعلیٰ چیز تھی۔ اس لیے ہم اس طرف توجہ نہیں دیتے تھے۔ ہمارے شیخ کی یہ عجیب عادت تھی۔ کبھی کبھی آپ کے خطوط آتے تو ان میں لکھا ہوتا (میرے پاس اب بھی پڑے ہیں) میرے فلاں کام کے لیے دعا کرنا میں بڑا حیران ہوتا، عجیب بات ہے۔ حضرت ہمیں کہتے ہیں دعا کرو۔ مجھے اب سمجھ آتی ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم کوئی تعویذ مانگنے جائیں۔ حضرت ہماری تربیت فرمایا کرتے تھے کہ مجھے بھی اللہ کی بارگاہ سے چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ تم اپنے لیے بھی وہیں سے مانگو۔ میرے لیے بھی مانگ لیا کرو۔ یہ بھی تربیت کا ایک حصہ ہوتا تھا۔ کہ طالب کو اللہ سے مانگنے کی عادت ڈالی جائے اگر آپ لوگوں نے مجھے زندگی میں ہی ایک خانقاہ بنا لیا ہے۔ تو مرنے کے بعد کونسا جھنڈا ہے۔ جو قبر پہ نہیں گاڑا جائے گا۔ وہ لوگ

صالح تھے، نیک تھے۔ ان کی قبریں بھی دیکھ لو۔ چٹیل میدان کی طرح پڑی ہیں۔ ان پہ ایک اینٹ بھی نہیں لگی ہوئی (جبکہ دنیاداروں کی قبروں پہ مقبرے بنے، یہ دس دس لاکھ روپیہ خرچ ہوگیا۔ یعنی مرکر بھی انہوں نے قوم کا سرمایہ نہیں چھوڑا) کیسے مخلص لوگ تھے کہ مٹی کے وہی چند بیلچے جو مرتے سمے کسی نے ڈالے ہیں۔ انہیں میں آرام کر رہے ہیں۔ حالانکہ مرید تو یہ لوگ انہیں کے ہیں۔ کاشغر سے لیکر سان فرانسسکو تک۔ جماعت تو انہیں کی ہے لیکن قبر پہ کوئی پیسہ پائی کسی نے نہیں لگایا۔ اس لیے کہ نہ دنیا ان کے دل میں تھی۔ نہ دنیا ان کی قبر پہ سوار ہے۔ ہمارے لیے ہمارے پیشرو نمونہ ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ کل میری قبر پہ جھنڈے گڑھے ہوں۔ شیشے لگے ہوں۔ اور بلب جگ مگ جگ مگ کر رہے ہوں، اور ڈھول سارنگیوں والے بیٹھے ہوں۔ اگر آپ اپنے حال پہ رحم کرنا چاہتے ہیں تو خدا کے لیے مجھے اس دَل دَل میں گھسیٹنے کی کوشش مت کریں۔ میں بالکل اپنے شیخ کی طرح کسی چٹیل میدان میں تنہا سکون سے رہوں گا۔ انشاء اللہ۔ جہاں تجلیات باری نصیب ہوسکتی ہوں۔ جہاں ذکرِ قلبی نصیب ہوسکتا ہو جہاں بال اور کھال ذاکر ہوسکتی ہو۔ وہاں اس نعمت کو چھوڑ کر آپ اس بات پہ بیٹھ جائیں۔ مجھے یہ تعویذ دیدو۔ مجھے وہ دم کر کے دے دو۔ مجھے یہ کر دو۔ میری بیوی ڈرتی ہے۔ میرا بچہ روتا ہے۔ بیویاں ڈرتی ہیں اور بچے روتے ہیں۔ یہ دنیا کا اصول ہے۔ ہر گھر میں صحت اور بیماری، امارت و غربت، طاقت اور کمزوری۔ جوانی اور بڑھاپا، اقتدار اور زوال۔ یہ اللہ کا مقرر کردہ نظام ہے اس سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ جن ملکوں میں گورے حکومت کر جاتے ہیں۔ ان کی اولادیں انہیں ممالک میں گداگری کرتی ہیں۔ اور جو لوگ کسی ملک میں گداگری کرتے ہیں۔ ان کی پشت میں اسی ملک کے حکمران پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ قانون ہے اللہ کا ایسا ہوتا ہے۔ جو لوگ دھکا دے کر دیوار گرا دیتے ہیں۔ ایک زمانہ آتا ہے کہ وہ چلنے کے لیے دیواروں کا سہارا لیتے ہیں۔ جو لوگ میلوں تک دیکھنے کی سکت رکھتے ہیں، ایک زمانہ آتا ہے کہ وہ ٹٹول کر چیز تلاش کرتے ہیں، یہ میرے رب کا نظام ہے۔ اسے نہ آپ روک سکتے ہیں۔ نہ میرا تعویذ نہ کسی کا دم۔ نہ کسی کی پھو۔ اگر آپ نے اس طرح سے سمجھا ہے تو آپ کو غلطی لگ رہی ہے۔ دھوکا لگ رہا ہے۔ کیونکہ میں جیتے جی مزار نہیں بننا چاہتا۔ مجھے قطعاً یہ بھی پسند نہیں ہوتا کہ میں آؤں اور آپ اٹھ کر کھڑے ہو جائیں۔ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ مجھے یہ بات پسند نہیں ہوتی۔ مجھے سخت ناپسند ہے۔ میں بالکل ایک عام آدمی کیطرح رہنا آسان سمجھتا ہوں۔ میری اپنی ڈیوٹی۔ میرا اپنا فریضہ ہے۔ آپ کا اپنا فریضہ ہے۔ ادب و احترام ظاہری نمائش کے تقاضے نہیں کرتا۔ جہاں ادب و احترام ہوتا ہے، وہ بات کرنے میں بھی، ملاقات میں بھی، چلنے پھرنے میں بھی نظر آتا رہتا ہے۔ اس کیلئے ظاہری چیزوں کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اور اگر کسی شخص کے دل میں یہ بات آجائے کہ اس کے آنے پر لوگ اٹھ کر کھڑے ہو جائیں تو اللہ کے عذاب کی گرفت میں آنے کیلئے اتنا ہی کافی ہے۔

وآخر دعوانا عن الحمد للہ رب العلمین۔

(خطبہ جمعۃ المبارک ۲۷ مئی ۱۹۸۸ء)

سوال آپ کا
جواب شیخ المکرّم کا

سوال:۔ اگر آدمی عمرہ کرے تو حج فرض ہو جاتا ہے حج اس پر فرض نہیں ہے۔ وہ سرکاری ڈیوٹی کے لیے ایک ہفتے کے لیے جاتا ہے وہاں سے عمرے کا اسے موقع مل جاتا ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب:۔ یہ جو صورت حال ہے اس میں کسی علماء سے پوچھیں گے لیکن میں سمجھتا ہوں اس میں فرض نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ وہ جو حج کی فرضیت ہے اس کے ساتھ استطاعت ہے یعنی اپنے خرچ پر وہاں جانے کی استطاعت نہ ہو تو حج فرض نہیں ہوتا حج فرض ہی تب ہوتا ہے مَنِ استطاع الیہ سبیلا کہ جسے وہاں تک پہنچنے کی استطاعت ہے اور جو گھر سے عمرے کے لیے جاتا ہے عمرہ کر کے آجاتا ہے تو استطاعت تو ثابت ہو گئی لہذا حج فرض ہو گیا اب اگر از خود نہیں گیا سرکاری ملازم ڈیوٹی پر گیا وہاں جا کر اسے موقع ملا تو وہاں عمرہ کرنا چاہیے ورنہ وہ اس سے بھی محروم رہے گا اگر ساری عمر حج کی استطاعت نصیب نہیں تو وہاں پہنچ کر عمرہ سے کیوں محروم رہے یہ عمرہ جو ہے یہ اس پر حج فرض نہیں کرے گا لیکن میرے خیال میں یہ جائز ہے لیکن یہ میری ذاتی رائے ہے۔ جو میں سمجھ سکا ہوں اس صورت حال سے بہت علماء یہاں تشریف رکھتے ہیں جو مناسب بات ہے بتا دیں۔

سوال:۔ میرے دو سوال ہیں۔ دعا مانگی جاتی ہے بارش کے لیے تو ایسے الٹے ہاتھ کرتے ہیں۔ جمعہ اور عیدین کا جو خطبہ ہوتا ہے ان کے درمیان امام صاحب جب بیٹھتے ہیں تو وہاں دعا مانگنی چاہیئے ہاتھ نہیں اٹھانے چاہئیں۔ بیٹھے بیٹھے دعا مانگنی چاہیئے۔

دوسرا یہ کہ جب کوئی آدمی فوت ہو جائے تو پھر جب بھی عید آئے پھر افسوس کی پھوہڑی بچھائی جائے تو کیا یہ جائز ہے

جواب:۔ بارش کے لیے جو دعا کی جاتی ہے ہاتھ الٹے کیے جاتے ہیں تو ایک دفعہ مدینہ منورہ میں سخت تنگی تھی بارش کی اور وہاں قریب ہے مسجد غمامہ اور اب مسجد نبوی وہاں تک پھیل گئی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تھے جمعہ کا دن تھا عرض کی گئی یا رسول اللہ ہمارے مال مویشی ہماری اولاد تکلیف میں ہے تو آپ نے جو دعا فرمائی تو اس میں حضورؐ نے ہاتھ الٹے کیے ایک اشارہ تھا ابر رحمت کو برسنے کا تو اس میں نماز استسقاء میں بارش کی دعا میں اس طرح سے ہاتھ کر کے دعا کرنا سنت ہے۔

یہ درست ہے جمعہ کا جو خطبہ ہوتا ہے یا عیدین کا جو خطبہ ہوتا ہے یہ نماز کا قائم مقام ہوتا ہے جیسے آپ نماز کی رکعت پڑھتے ہیں فرض ہے رکعت کے قائم مقام ہے تو ایک بات اور بھی بہت ضروری ہے کہ جب آذان ہوتی ہے خطبے کی تو اس کے بعد دعا مانگنی جائز نہیں جس طرح اقامت کے بعد دعا نہیں ہوتی۔ دعا نہیں مانگنی چاہیئے اسی طرح خطبے کے لیے جو اذان ہوتی ہے اس کے بعد لوگ دعا مانگتے ہیں یہ غلط ہے اس کے بعد فوراً خطبہ شروع ہو جاتا ہے

اور خطبے کے درمیان جب امام بیٹھتا ہے تو آپ دل میں دعا مانگ سکتے ہیں لیکن اس کے لیے ہاتھ اٹھانا جائز نہیں یہ نماز

کی رکعت چل رہی ہیں پڑھنا درست نہیں۔
شرعاً: اسلامی طریقہ یہ ہے مرنے والے کے لئے اظہار افسوس یا اظہار ہمدردی اس کا دل بہلانے کے لیے قریبی لوگوں کو جانا چاہیئے جو متعلق ہیں اور وہ تین دن ہے اور کوشش کی جائے کہ تین دن کھانا نہ پکے دوست احباب دیں چوتھے دن وہ بھی اپنے کام پہ جلے اور دوست احباب بھی اپنے کام پہ جائیں اس کے بعد اگر کسی کو زیادہ انس ہے تو مرنے والے کے لیے نوافل پڑھے اس کے لیے دعا کرے اس کے لیے صدقہ دے جو طریقہ شرعی ہے اس کو ایصال ثواب کرے اور یہ شور شرابا کرنا اور یہ واویلا کرنا یہ شروع کے دنوں میں بھی جائز نہیں اور جو جاتے ہیں چونکہ گھر والے پریشان ہوتے ہیں اس لیے نہیں بہلانے کے لیے جاتے ہیں آپ اکیلے بیٹھے سوچتے رہیں گے دس پانچ ہو جائیں گے تو بہل جائیں گے یہ باقی ساری رسومات ہیں جن کا شرعی جواز نہیں ہے یہ حرام ہے شریعت میں

سوال:۔ حضرت کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی بچہ کافر گھرانے میں پیدا ہو اور اس تک اللہ تعالےٰ کی تعلیمات نہ پہنچیں اگر یہ ممکن ہے تو پھر آخرت کے کیا معاملات ہیں۔

جواب:۔ ایسے لوگ جن تک تعلیمات نبوی نہیں پہنچتیں وہ صرف اس بات کے مکلف ہوتے ہیں کہ اللہ سے شرک نہ کریں کیونکہ توحید باری جیسا میں نے پہلے عرض کیا ہے اتنی ہویدا ہیں کہ آدمی تھوڑا سا بھی غور کرے تو اسے فوراً پتہ چل جاتا ہے کہ کوئی اس سارے نظام کا مالک ہے اور اس جیسا کوئی دوسرا نہیں اگر اتنی بات اس نے طے کر لی تو یہ اس کی نجات کے لیے کافی ہے۔

سوال: حمل گرانا کیا شرعاً درست ہے؟

جواب:۔ اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی ایسا طریقہ کرنا جو مانع حمل ہو کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا جو فطرت میں تبدیلی کر دے مثلاً اپریشن کرا لینا کہ بالکل آئندہ وہ اولاد کے قابل ہی نہ رہے یا جنین میں جب روح پیدا ہو جاتی ہے تو اسے خواہ مخواہ ضائع کرنا یا کوئی ایسی دوا استعمال کرنا یا اپریشن کرانا یہ جائز نہیں ہے اور اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ بچے زیادہ ہو جائیں گے کیا کہیں گے یہ شرعاً جائز نہیں ہے اس میں ایک صورت ہے کہ کوئی ایسی صورت اختیار کرنا جس سے حمل قرار ہی نہ پائے لیکن وہ صورت عارضی ہو اپریشن نہ ہو اسی وجہ سے کہ ماں کی یا باپ کی صحت اجازت نہیں دیتی یا دوسرے بچوں کی پرورش کو متاثر کرے گی اس کا جواز موجود ہے اگرچہ مستحسن نہیں ہے یعنی اس کی تحسین نہیں فرمائی گئی لیکن اس سے منع نہیں فرمایا گیا کیونکہ یہ مسئلہ بارگاہِ نبوی میں پیش ہوا تھا آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا تھا یہ نہیں فرمایا کہ یہ ٹھیک ہے لیکن یہ نہیں فرمایا کہ ایسا نہ کرو۔ تو اس میں پھر دو پہلو نکل گئے اور اگر تو اللہ پر بھروسہ رکھے تو اللہ اولاد دینے والا ہے جو پیدا ہو گا وہ اپنی روزی لے کر آئے گا لیکن پھر بھی اگر کچھ ڈیڑھ دس بچے ہیں یا بارہ ہو جائیں گے تو ان کے اخراجات یا ان کی تعلیم یا ان کی تربیت یا ان کی والدہ کی صحت درست نہیں ہے یا اس طرح کی وجوہات ہوتی ہیں تو کوئی ایسا طریقہ جس میں دائمی تخلیق باری میں کوئی مستقل تبدیلی نہ آجائے اس کا جواز ہے اور ایسا طریقہ جس میں مستقلاً تبدیلی آجاتی ہے وہ جائز نہیں ہے۔

سوال:۔ نکاح سنت ہے۔ ایک آدمی نکاح نہیں کرتا کیا اس کے مقامات رہ سکتے ہیں۔

جواب:۔ نکاح جو ہے مسنون ہے استطاعت کے ساتھ بعض وجوہات ذاتی حالات ایسے ہوتے ہیں کہ بعض جگہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ اگر نہیں استطاعت تو وہ روزے رکھا کرے یا مجاہدہ زیادہ کیا کرے تاکہ شہوات میں گرفتار نہ ہو تو اس سے مراد یہ ہے کہ اگر حالات اجازت نہ دیں تو بعض اوقات اس کی صحت اجازت نہیں دیتی تو ہر شخص کے ذاتی حالات ہوتے ہیں اگر کوئی جواز شرعی اس کے پاس ہے ایسی شرعاً مجبوری ہے پھر نہ کرے لیکن اگر عملاً ترک سنت کرتا ہے تو پھر اس کے مقامات نہیں رہیں گے صورتیں ہوتی ہیں ہر شخص کے ذاتی حالات ہیں کیا صورت ہے کس وجہ سے کیوں نہیں کرتا تو اللہ بہتر جاننے والا ہے تو عمداً اور جان بوجھ کر جب سنت کے خلاف راستہ اپنایا جائے گا تو مقامات نہیں رہیں گے ہاں شرعی جواز ہو وجہ موجود ہو تو آپ اور میں ہر آدمی کے ذاتی حالات سے واقف تو نہیں۔ پتہ نہیں پیچھے کیا حالات ہیں

سوال:۔ اس ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے ہم کیا اور کیسے عملی کردار ادا کر سکتے ہیں۔

جواب:۔ میری سمجھ میں جو طریقہ آیا ہے وہ صرف یہ ہے کہ ہم اپنے آپ پر اسلام نافذ کریں سب سے پہلی بات ہم اپنا کردار اسلامی بنائیں اس کے بعد جہاں تک ہماری آواز پہنچے ہمارا تعلق ہو ہمارے دوست ہوں ہمارے احباب ہوں ہماری بات سننے والے ہوں ان کو اس کی افادیت سے آگاہ کر کے پیار سے محبت سے شفقت سے نہیں اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ بھی اسلام کے دائرہ کار میں آجائیں صرف یہ طریقہ ہے۔

۱۳ جون ۱۹۸۹ء کو شیخ المکرم اپنے قافلے سمیت مانچسٹر سے نکل کر ہائی وے پر ٹورنٹو کیلئے چل پڑے جو تقریباً ۳۲۵ میل کا سفر تھا۔ اس سفر کے دوران اپنے جذبات کو اشعار کے الفاظ میں ڈھالتے گئے۔

گنبدِ خضریٰ کی روشنی

آتی ہے نظر گنبد خضراء کی روشنی
پھیلتی ہے چار سو شہہ بطحا کی روشنی

روشنی ہے ان کے نام سے سارے جہان میں
مومن کا دل بھی اور دلِ بینا کی روشنی

مغرب کی روشنی میں ہیں تاریکیاں بہت
چھینی ہے ظلمتوں نے چشم وا کی روشنی

ننگے بدن ہیں چاک گریبان ہے کوئی
وحشت نصیب ہے انہیں لٹوا کے روشنی

ہے جنس اور مال کا رشتہ فقط یہاں
گم نسب بھی ہوا گئی وفا کی روشنی

سب کہہ نہیں سکتا کوئی آتا ہے جو نظر
مانع ہے لب کشائی سے حیاء کی روشنی

اس پتھروں کے دیس میں خادم تیرے حبیب
پاتے ہیں نور دل میں اور آقا کی روشنی

دل میں تڑپ ہے سوز ہے سجدے میں آج بھی
آنکھوں میں تیرے نقش کف پا کی روشنی

کتنا رفیع مقام ہے ان کا خدا گواہ
ہر طرف ان کے کرم سے برسا کی روشنی

اللہ کرے کہ سینۂ مسلم ہو نور بار
یوں جس سے اک جہان میں پھیلا کی روشنی

مجھ سے فقیر کو ملے نظر کرم کی بھیک
تیرے حریم ناز کی طیبہ کی روشنی ما

حضرت شیخ المکرم

کیا کھویا؟ کیا پایا؟

حضرت مولانا محمد اکرم

رمضان المبارک تو گزر گیا اپنی خصوصی برکتوں اور رحمت کی گھٹاؤں کے ساتھ۔ کچھ خوش نصیب سیراب ہوئے روزے رکھے نوافل ادا کرتے رہے، تلاوت کرتے اور رات دن تسبیحات ورد زبان رہیں اور یوں اپنا دامن بھر کر خوش ہیں اور انہیں ہونا بھی چاہیے۔

کچھ دوسرے جو ہیں تو مسلمان مگر ذرا واجبی قسم کے ہیں اور یہ نماز روزے کا جھگڑا انہیں زیادہ پسند نہیں۔ یہاں ان کو چھیڑنا اور بے آرام کرنا ہرگز مقصود نہیں۔ اللہ ان پر بھی رحم فرمائے اور انہیں بھی خوش رکھے۔ یہاں بات پہلے طبقے سے کرنا مراد ہے۔ اور خیال یہ ہے کہ ہمیں خود یہ تجربہ کرنا چاہیئے کہ رمضان المبارک سے ہمارے ہاتھ کیا آیا، کون کونسی نعمت پائی یا کیا کچھ کھویا۔ اس تجزیے کا ایک تو سیدھا سادا انداز ہے جو زبان زد عام ہے۔ اور وہ ہے ہر عمل کا ثواب شمار کر لیا جائے۔ جیسا کہ عموماً ہوتا ہے۔ روزہ کا ثواب، نوافل کا فرائض کے برابر ثواب، فرائض کا ستر گنا بڑھ کر ثواب، تلاوت کا ثواب، تسبیحات کا ثواب، خیرات و فطر کا ثواب، اور سب سے بڑھ کر اعتکاف کا ثواب اور تراویح اور رات کے قیام کا ثواب غرض گننے جائیں تو ہمارا دامن تنگ ہو جائے گا۔ اور ثوابوں کی گنتی ختم ہونے میں نہ آئے گی اور یوں ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ ہم نے بہت کچھ پایا کھویا کچھ نہیں۔

مگر دو چیزیں ضرور قابل غور باقی رہیں اول یہ رمضان ہے کیا اور انسان کو اس کی ضرورت کیا ہے۔ اور رب العلمین اس سے کیا بات دیکھنا پسند فرماتے ہیں۔ اور اس بات میں انسان کا حقیقی فائدہ ہے۔ دوسری چیز کہ یہ ثواب کیا ہوتا ہے اور یہ کب ملے گا اور اس میں فائدہ کیا ہو گا۔

پہلی بات پر غور کریں تو کتاب اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق اللہ رب العزت نے اپنی تمام مخلوق کو اپنی عطا اور رحمت سے نوازا ہے مگر ہر ایک کی استعداد جدا ہے۔ اور ہر شے پر رحمت کا رنگ دوسرا ہے مثلاً ہم اپنے قریب تر ہی سے شروع کریں تو وجود بھی اللہ کی مخلوق اور بے شمار چھوٹے چھوٹے ذرات کا مجموعہ ہے مگر یہ محض مجموعہ نہیں ذرے کا وہ وجود جو بہت ہی کم تر ہوتا

ہے اور آگے تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ اسے ایٹم کہتے ہیں اتنا چھوٹا حصہ کہ ہزاروں ایٹم ہمارے قلم کی نب کی نوک پر جمع ہو سکتے ہیں اس ہر ایٹم میں ایک نظام شمسی ترتیب دے دیا ہے۔ جسے وہ خود چلا رہا ہے۔ اور اس بڑے نظام شمسی سے متاثر ہو کر مختلف روپ دھارتا اور مختلف خصوصیات حاصل کرتا رہتا ہے نہ صرف یہ بلکہ بعض اوقات تو خود اس نظام کو متاثر کرتا ہے

اب ان ایٹموں کا کسی خاص ترتیب سے جمع ہونا اور نظام شمسی سے خاص توانائی حاصل کرنا خصوصی نتائج پیدا کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ مٹی ریت، پتھر اور مختلف دھاتوں کا وجود انہی نتائج کا نام ہے اور یوں جمادات وجود پذیر ہوتے رہتے ہیں یا اسی نظام شمسی سے متاثر ہو کر ٹوٹتے پھوٹتے اور وجود کے بعد عدم کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔ ان میں بعض اوقات ذرات کا اجتماع صرف پتھر بنتا ہے۔ تو کبھی پتھر کے سینے کے اندر ایک چھوٹا سا مجمع ہیرے کا روپ دھار لیتا ہے اور اتنا قیمتی ہوتا ہے کہ جس بڑے پہاڑ سے یہ ذرہ نکلا اس جیسے کئی پہاڑ اس سے خریدے جا سکتے ہیں۔ اس میں صرف دو باتیں ہوتی ہیں۔ قدرت باری سے ذرات کا ایک خاص مقدار میں ایک خاص ترکیب سے جمع ہونا اور نور شمسی کا ایک خاص انداز سے ایک خاص وقت تک اسے منور کرنا جو پھر اسی کرم کا کرشمہ ہے۔

یہی راز لوہے سے لیکر سونے تک، دھاتوں کے بننے کا ہے یہی فلسفہ پتھروں میں یورینیم کے پیدا ہونے کا ہے۔ اور یہ سب سے ادنیٰ درجے کی تخلیق ہے جس پہ اس قدر کرم کی بارش ہوتی ہے

پھر جمادات سے اوپر نباتات کا درجہ ہے انہیں ایک خصوصیت جمادات سے زائد عطا فرمادی کہ ان میں محسوس کرنے اور متاثر ہونے کا مادہ بھی زیادہ کر دیا اور فضا سے، زمین سے اپنی ضرورت کی تکمیل کا ذریعہ بھی عطا فرما دیا چنانچہ دھوپ چھاؤں یا بہار و خزاں سے جمادات کی نسبت سے زیادہ متاثر بھی ہوتے ہیں۔ اور اپنی غذا ہوا سے روشنی سے اور زمین سے حاصل کرنے کی سکت بھی ہے جب یہ صلاحیت بڑھی تو متاثر کرنے کی صلاحیت بھی بڑھ گئی۔ چنانچہ نظام شمسی کو بہت زیادہ متاثر بھی کرتے ہیں۔ تپتی دھوپ کی شعاعوں کا راستہ روک کر سایہ پیدا کر دیتے ہیں دھوپ اور چاندنی کی چرائی ہوئی لذتوں سے لذیذ میوے تیار کرتے ہیں۔ فضاؤں میں خوشبوئیں بکھیرتے ہیں اور زمین پر سبزے اور پھولوں کی چادریں بچھ جاتی ہیں پھر نر و مادہ ہوتے ہیں اور ہوا سے پرندوں کے پاؤں سے بھونروں اور مکھیوں تتلیوں کے پاؤں سے نر و مادہ پودے کے پھولوں میں سے باریک ذرات ایک دوسرے سے لیکر پھل پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ یہ زمین سے پتھروں سے پانی سے فضاؤں سے سورج چاند اور بادلوں سے خدمت لیتے ہیں۔ اس سے اوپر حیوانات میں ان کا درجہ ان دونوں سے بڑا ہے۔ تو ان میں خصوصیت بھی ان سے بہت زیادہ ہیں نظام شمسی سے بہت زیادہ متاثر بھی ہیں اور اس نظام کو بہت زیادہ متاثر کرتے بھی ہیں۔

جس طرح نباتات جمادات کو غذا بناتے ہیں حیوانات نباتات کو خوراک کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور یوں جب ان کا وجود ہی حیوانات کی خدمت کے لیے ٹھہرا تو موازنہ کرنے کی نوبت ہی کب آئے گی۔ یقیناً حیوانات میں اثر پذیری بھی بہت ہونا چاہیئے اور اسی لحاظ سے متاثر کرنے کی خصوصیت بھی اور یہ ہے بھی۔

حیوانات میں بھوک پیاس کو محسوس کر کے اس کے ازالے کی جستجو گھر اور ٹھکانے کا شعور، بقائے نسل کا طریقہ اور سلیقہ نر و مادہ کا آپس میں میلان، بچے اور ان کی پرورش و نگہداشت خوشی اور غم کا احساس بلکہ محبت و نفرت کے جذبات اور بے شمار خصوصیات سمو دی گئی ہیں۔ ان ہی میں ایک قسم انسان بھی ہے یعنی حیوان ناطق بولتا چالتا حیوان اور یہ تخلیق اللہ کی دوسری سب مخلوق میں ایک شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے اس لیے کہ جس قدر مخلوق کا تذکرہ ہوا یہ زمین پر بسنے والی مخلوق ان میں جتنی بھی خصوصیات ہیں جمادات ہوں نباتات یا حیوانات سب انسان کی خدمت کے لیے رکھی گئی ہیں اور انسان کو یہ عظمت ملی کہ حیوانات تک کی جان اس کے قدموں پر فدا ہو تو انہوں نے زندگی کا حق ادا کر دیا۔ جیسا کہ ارشاد باری کا مفہوم ہے "زمین پر سب ہی کچھ تمہارے ہی لیے پیدا کیا گیا ہے۔" (القرآن) چنانچہ انسان کا دیکھنا سننا کھانا پینا محبت و نفرت کا معیار دیگر حیوانات سے بہت ہی بلند ہے۔ اس کی

عقل تمام مخلوق سے فائدہ حاصل کرنے کے راستے سوچ سکتی ہے۔ اور یہ نہ صرف زمین بلکہ ہواؤں سورج چاند اور ستاروں سے اپنے کام نکالتا ہے قدو قامت، شکل و صورت اور ڈیل ڈول میں سب سے خوبصورت بھی ہے نیز اللہ کی دوسری مخلوق جو نوری ہے اور فرشتہ کہلاتی ہے جسکا کام محض اطاعت الٰہی ہے یہ اس سے بھی زیادہ شعور و استعداد رکھتا ہے اور وہ شعور ہے معرفت باری کا شعور جو معرفت الٰہی اسے نصیب ہے وہ دوسری کسی بھی تخلیق کے بس کی بات نہیں اس لیے کہ عظمت باری کو جاننے کا سب سے بڑا اور اکیلا ذریعہ نورِ نبوت ہے جو صرف اور صرف انسان کو عطا ہوا یہی وجہ ہے کہ جب اس کا قلب نور نبوت سے مستفید ہوتا ہے تو اس کا مقام و مرتبہ فرشتوں تک سے بڑھ جاتا ہے۔

جب اس کا حال یہ ہے تو یہ سب سے زیادہ متاثر بھی ہوتا ہے اور کائنات کو اپنے کردار کے پرتو سے متاثر کرتا بھی ہے کبھی اس کی حمد عرش عظیم تک ایک لگی اور سرور پیدا کر کے باران رحمت کا سبب بنتی ہے اور کبھی اس کی گستاخیاں روئے زمین کو غرق آب کر دیتی ہیں بات سوچنے کی یہ ہے کہ جب اس میں اللہ کے حضور حاضری کی استعداد ہے جمال باری کو پانے کی تڑپ ہے معرفتِ حق کا شعور ہے تو یہ گستاخی کیوں کرتا ہے اور واقعی یہ بہت بڑا سوال ہے بھلا جمال باری کی لذتوں کو کوئی کیسے چھوڑ سکتا ہے۔

اس کی وجہ بھی عجیب ہے اس حادثے کا بیان اللہ کی کتاب میں موجود ہے رب جلیل نے سب بات بڑی تفصیل سے ارشاد فرمائی ہے کہ قرب الٰہی کی یہ لذتیں ایک چھوٹی سی ندی عبور کر کے حاصل کی جا سکتی ہیں اور وہ ندی شہوت کی ہے بدن انسان کو ضروریات سے لاحق فرما دیں۔ اس میں نفس جاگزیں ہوا اور دار دنیا میں اپنی تخلیق کا حسن بکھیر دیا۔ امتحان صرف اتنا سا رکھا کہ تمام طرح کے حسن سے فائدہ تو ضرور حاصل کرو مگر طریق استفادہ وہ ہو جو میں بتاؤں تاکہ یہ عیاں ہوتا رہے کہ تم بھی کسی کے بندے ہو۔ اور جن چیزوں سے راحت و لطف حاصل کرتے ہو وہ بھی تمہاری نہیں تمہارے مالک کی ضرور ہیں مگر شہوت کی ندی کے طوفان کبھی حرص و ہوا کی صورت اختیار کرتے ہیں تو کبھی غیض و غضب بن کر گرجنے لگتے ہیں اور یوں انسان نہ اپنی حیثیت کو یاد رکھتا ہے نہ مالک کی عظمت اور لوٹ کھسوٹ میں مبتلا ہو کر فتنہ و فساد بپا کر دیتا ہے اس طوفان کو ہوا دینے میں بڑا ہاتھ شیطان مردود کا ہے جو انسانوں سے جل کر اور تکبر میں مبتلا ہو کر راندۂ درگاہ ہوا ہمیشہ کے لیے رحمت باری سے محروم کر دیا گیا مگر جاتے جاتے یہ بات بھی کر گیا کہ اللہ مجھے مہلت دے تو میں انسانوں کو آزما کر دکھا دوں گا۔ یہ آپ کے جمال سے ہاتھ اٹھا کر میری بندگی میں لگ جائیں گے فرمایا یہ بات بھی اب تیری بخشش کا باعث تو نہیں بن سکتی ہاں یہ ضرور ہے کہ جو انسان تیری غلامی کا طوق پہن لیں گے انہیں بھی تیرے ساتھ جہنم میں جھونک دوں گا جو میرے غضب کا مظہر ہے۔ مگر اتنا سن لے جو میرے متوالے ہوں گے ان پر تیرا جادو چل نہ سکے گا۔ اب اس موذی کو جہاں عمر دراز ملی وہاں یہ انسانی آنکھ سے نظر بھی نہیں آتا خون کے ساتھ بدن میں گردش کرتا ہے۔ دل کے اندر وسوسے ڈالتا رہتا ہے۔ اور پھر اکیلا بھی نہیں اس کی اپنی نسل بھی ہے۔ اور بیشتر انسان بھی گمراہ ہو کر اس کے کارندے بن جاتے ہیں۔ جو اس کا کردار اپنا لیتے ہیں۔ یوں شیاطین کی فوج ہر آن اور ہر انسان کے پیچھے لگی رہتی ہے۔ اسی سارے ہنگامے کو اس شعر میں بیان کیا گیا

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ
باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش

کہ بار اللہ سمندر کے طوفان میں ایک تختے پر مجھے باندھ کر فرماتا ہے خبردار دامن تر نہ ہونے پائے مگر یہ سوچ درست نہیں کہ اس کریم نے ایسا نہیں کیا ہزاروں طوفانوں میں نورِ نبوت کا سفینہ بخشا ہے۔ جس میں نقصان کا کبھی خطرہ بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ انبیاء معبوث فرمائے کتابیں نازل فرمائیں اور دنیا کی چیزوں کو حاصل کرنے کے انداز کے ساتھ مخصوص طریق عبادت ارشاد فرمائے۔ جن سے دلوں میں اللہ کا نور آتا ہے۔ جو شیاطین کے حربے ناکام اور نفس کی بغاوت کو زیر کرتا ہے انہی عبادات میں ایک عبادت صوم رمضان بھی ہے۔ جس کا مقصد اللہ کی کتاب میں حصول تقویٰ ہے۔ یعنی ذات باری سے ایسا تعلق جو اس کی اطاعت پہ مجبور کر دے اور نافرمانی

کی جرأت چھین لے ظاہر ہے اختیاری طور پر یہ کام صرف اور صرف محبت ہی کروا سکتی ہے۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ بندے کو اللہ سے محبت ہو جائے۔

بات لمبی ہو رہی ہے اس کو مختصر کرتے ہوئے دیکھتے ہیں رمضان میں کیا کیا اہتمام ہوتا ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ تمام امتوں پر فیضانِ نبوت برسا مگر سب انبیاءؑ ذاتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیض پاتے ہیں۔ ہدایت براہِ راست آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفید ہونے کی سعادت سے بہرہ ور ہوئی اور سب میں بہترین امت کہلائی۔ دوسرے اللہ نے ذاتی کلام عطا فرمایا اور ہمیشہ کے لیے اس کی حفاظت کا ذمہ بھی لیا یہ کلام بھی سراپا نور ہے۔ اور دلوں کو منور کرتا ہے۔ تیسرے یہ کہ جو عبادات اس امت کو عطا ہوئیں وہ بھی تمام امتوں سے اعلیٰ و افضل اور عبادات میں رمضان کا درجہ یہ ہے کہ تمام شیاطین چاند نکلتے ہی قید کر دیئے جاتے ہیں۔ چلو بہت بڑا دشمن قید ہو گیا رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اور اعمال کا اجر بہت ہی بڑھا دیا جاتا ہے کہ نفل ثواب میں فرض کا درجہ پاتا ہے۔ اور فرائض ستر گنا زیادہ اجر پاتے ہیں۔ پھر جائز اور حلال کھانے سے بھی خاص وقت تک روک دیا جاتا ہے کہ اطاعتِ الٰہی کا درجۂ کمال حاصل ہو جو حلال بھی بغیر اجازت نہیں کھاتا بھلا وہ حرام کیوں کھانے لگا۔

پھر اسی ماہ مبارک میں اعتکاف کی برکات کہ سارے جہاں سے کٹ کر بندہ صرف اور صرف اپنے مالک کا ہو رہتا ہے اور پھر اس میں لیلۃ القدر کہ جس کی نعمتوں کو اب اس مضمون کا حصہ بنانا ممکن نہیں ہاں بیان کیا تھا انشاءاللہ کسی شمارے میں ضرور چھپ جائے گا۔ صرف اتنا عرض کر دینا مناسب ہے وہ اپنی برکات کے لحاظ سے ہزار مہینے سے زیادہ افضل ہے کہ اس میں بارانِ رحمت کھل کر برستی ہے۔ فرشتے انسانی قلوب کی اصلاح کا کام کرتے ہیں۔ اور نیک اور خدا رسیدہ ارواح بھی دلوں پر القائے نسبت سے روشنی ڈالنے کی سعی کرتی ہیں۔
غرض رمضان المبارک میں رحمتِ الٰہی لٹائی جاتی ہے نفس تابع، شیطان قید، اور نزولِ ملائکہ سے دلوں کی تقویت کا اہتمام ہوتا ہے۔ اور یوں جب یہ ماہ مبارک گزر جاتا ہے اور شیاطین قید سے چھوٹتے ہیں تو ششدر رہ جاتے ہیں کہ بھلا جن دلوں میں

کسی نے
حضرت ابراہیم ادہم کو ایک ہزار
درہم پیش کرتے ہوئے قبول کر لینے کی
استدعا کی۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ میں فقیروں
سے کچھ نہیں لیتا۔ اس نے عرض کیا کہ میں تو بہت امیر ہوں
فرمایا کہ کیا تجھے اس زائد دولت کی تمنا نہیں ہے۔ اور جب
اس نے اثبات میں جواب دیا تو فرمایا کہ
اپنی رقم واپس لے جا کیونکہ تو فقیروں کا سردار ہے۔

اس قندیل کا چوند بھی ہے وہاں وساوس کی تاریکی کو کون راہ دے گا۔ اور یوں حسرت سے سر پیٹ لیتے ہیں۔ اللہ کے بندے سال کے گیارہ مہینے انہیں قدم قدم پر شکست دیتے ہیں۔ اور جب کچھ تھکاوٹ کے آثار پیدا ہونے لگتے ہیں تو پھر رمضان شریف کا آنا شیاطین کے لیے قید اور مومن کے لیے تازگی کا پیغام لاتا ہے۔ چنانچہ وہ پھر سے استعداد بڑھانے انوار سمیٹنے اور دل روشن کرنے میں لگ جاتے ہیں اور یہ سلسلہ جاری رہتا ہے ہاں وہ بدنصیب جو کفر کی دلدل میں غرق ہیں انہیں کیا خبر کہ چمنستانِ ایمان میں بادِ بہاری کیا خزانے لٹاتی ہے۔ چنانچہ شیطان سارا غصہ ان پر ٹھنڈا کرتا ہے اور وہ مزید ذلت میں دھنس جاتے ہیں۔ آپ کافر معاشرے کی تاریخ دیکھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ کیسے بتدریج وہ نئی نئی ذلتوں میں غرق ہوتے چلے جاتے ہیں اور قادر بھی ہے کریم بھی چاہے تو سب کو ہدایت دے مگر یہاں ہمارا موضوع اپنی ذات ہے مومن ہے مسلمان ہے کافر نہیں ہم کو اللہ نے نورِ ایمان عطا فرمایا۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امتی ہونے کا شرف بخشا اپنا ذاتی کلام عطا فرمایا۔ عبادات سے سینے منور اور دل روشن کرنے کی تاکید فرمائی پھر رمضان المبارک کی سعادت نصیب ہوئی تو یقیناً رمضان کے خاتمہ پر شیطان ہمیں ایک نئے حال میں دیکھ رہا ہو گا۔ جس میں ہمارے دل روشن سینے پر سکون،

جیسے منور خواہشات و شہوات پہ اللہ کی حکومت ہاتھوں میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن اور یوں سر بیٹ رہا ہوگا کہ یہ مجھ سے بچ گئے۔ ہماری یہ حالت سوچ کر انداز فکر سے اور عملی زندگی سے بھی عیاں ہو رہی ہوگی۔ لہٰذا جہاں ہم ہوں گے وہاں رحمت ہوگی اور ظلم کی تاریکی مٹ جائے گی۔ وہ ظلم خواہ عقیدے کا ہو یا عمل کا الحمدللہ اگر یہ بات درست ہے۔ ہمیں اپنے اندر اپنی ذات اور اپنی فکر میں اپنے عمل اور اپنے کردار میں یہ نعمت نظر آتی ہے تو ہم نے کھویا کچھ بھی اور پایا اتنا کچھ جس کو شمار کرنا ممکن نہیں۔ لمحہ فکریہ یہ ہے کہ اگر یہ سب کچھ ہم نہیں پا سکے اور اپنے اندر ظلمتیں چھپا رکھی ہیں حرص و ہوا کی ظلمت شرک یا بدعات کی ظلمت بدعملی کی ظلمت تو پھر معاذ اللہ پایا کچھ بھی نہیں اور کھویا بہت کچھ۔

وہ برستی رحمتیں وہ اترتے انوار وہ روشنیاں محبتیں اور جمال باری کی لذتیں یہ سب کچھ کھو دیں رمضان کھو دیا گیا جانے پھر رمضان المبارک تک حیات وفا کرے نہ کرے۔

اے اللہ تو ہمیں ایسے نقصان سے بچالے ہمیں ظلمتوں اور دلدلوں سے بچالے ہم کمزور و ناتواں تیری قدرت کاملہ ہی کا آسرا رکھتے ہیں۔ اگر لذت رمضان سے اپنی نادانی نے محروم رکھا تو تو آنیوالے رمضان کی طلب اور تڑپ ہی عطا کر دے

اے اللہ میرا حال بہت قابل رحم ہے میں اپنے گناہوں کے بوجھ تلے دب رہا ہوں۔ میرا نفس ایک خونخوار درندہ ہے شہوات کا طوفان خس و خاشاک کی مانند لیے اڑتا پھرتا ہے۔ گناہوں کی دلدل بہت گہری ہو چکی ہے۔ مگر میرا آسرا تو ہے میری امید تو ہے میرا مالک تو ہے میری پکار تو ہے۔ میرے نحیف و نزار ہاتھوں میں تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن ہے میری کمزور ہمت بھی اور ٹوٹتے ہوئے پر بھی۔ گنبد خضرا ہی کی طرف تڑپ تڑپ کر گرتے ہیں۔

اللہ اپنے کرم سے دستگیری فرما رخ محبوب پر نگاہوں کو نچھاور کرتا رہوں اور تیری بارگاہ میں اٹھ کر گرتا رہوں۔ زندگی تیرے چاہنے والے کے پاؤں اور ان کی جوتیوں میں بسر ہو جائے تو اپنا مقصد پا گئی۔

اللہ کریم تمام مسلمانوں کو فکر صحیح اور عقل سلیم عطا کرے اور ہمیں اپنا جائزہ لیکر اپنے لیے درست راہ اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

یا اللہ میری ناتواں آواز کو عالم اسلام کے حق میں قبول فرما

اب ذرا مختصراً یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ ثواب کیا ہے کب ملے گا اور کس کام آئیگا۔ ثواب کا مفہوم تو اجر ہے۔ یا اخروی زندگی میں ملے گا۔ اور ہمیشگی کی راحت کے کام آئے گا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ اجر اللہ کریم کی رضامندی کا باعث ہے اور اسکی رضامندی ہی مقصود بھی ہے کہ نزول رحمت کا سبب بھی یہی چیز ہے۔ جنت کی حقیقت بھی یہی ہے اور یہ رضامندی اور خوشنودی ہی جو اس کے دیدار کا سبب بنے گی جنت کی سب سے اعلیٰ نعمت بھی دیدار باری ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ عمل صالح ادھاری مزدوری ہے کہ سب اجر آخرت ہی کو ملے گا مگر اس بات کو دل مانتا نہیں کہ وہ رب جو عاجز بندے کو تو فرماتا ہے کہ مزدور کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو وہ خود اتنا لمبا ادھار کرتا ہے۔ یہ بات نہیں ہو سکتی جنت آخرت ہی میں ملے گی۔ تو پھر نقد کیا ملتا ہے۔ بھائی ہر عمل کا ایک اثر دل پر بھی مرتب ہوتا ہے۔ اگر گناہ کرنے سے دل تاریک ہوتا ہے تو نیکی کرنے سے روشن بھی ضرور ہوتا ہے اور ثواب مرتب ہو تو دل میں بھی گداز پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے اللہ کی محبت اور اس کے دیدار کی طلب بڑھتی ہے اور نافرمانی گراں لگتی ہے بتقاضائے بشریت خطا ہو جائے تو دل پر چوٹ پڑتی ہے، سر ندامت سے جھک جاتا ہے۔ اور آنکھوں کا پانی دامن سے داغ دھونے لگتا ہے۔

اتباع شریعت محبوب ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کی مجلس دل کو بھاتی ہے جو اس راہ کے مسافر ہوں۔ اور نافرمانوں کی دوستی پسند نہیں رہتی۔ نیز قلب پر رحمت باری کی پھوار سی پڑ کر اسے سرشار کر دیتی ہے۔ یوں زمانے کی سختیاں بھی اسے پریشان نہیں کر سکتیں۔ اور دل میں اللہ کریم کی یاد رچ بس جاتی ہے۔

جوں جوں آدمی اطاعت حق میں آگے بڑھتا چلا جاتا ہے توں توں دل میں لذت کی شدت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔ جسے ایمان کی زیادتی سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اور یہ کیفیات ہی اس بات کی دلیل ہوتی ہیں کہ ثواب جمع ہو رہا ہے اور اپنے وقت پہ ضرور ملے گا۔ لہٰذا یہ بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ میرے اعمال پر ثواب مرتب بھی ہوا ہے یا محض خوش فہمی ہے کہ ثواب ان اعمال پہ مرتب ہوتا ہے جن میں خلوص ہو۔ بعض کیا اکثر

اوقات ہم عمل کرتے ہیں۔ مگر اس میں خلوص نہیں ہوتا کبھی لوگوں سے واہ واہ کی تمنا ہوتی ہے تو کبھی دولت و اقتدار کی طلب ایسے اعمال بظاہر شریعت کے مطابق بھی ہوں تو بھی ثواب کے اہل نہیں ہوتے اور اگر ثواب مرتب نہ ہو تو دل ویران ویران سا رہتا ہے۔ بالکل اجاڑ سا لگتا ہے۔ اگر گناہ بڑھنے لگیں تو دل کے جنگل میں بھی وحشتناک درندے پیدا ہونے لگتے ہیں اور خواہشات کے اژدھے سکون کو نگل لیتے ہیں۔ آتش دوزخ کا دھواں سینے میں بھر جاتا ہے۔ لیکن اگر خلوص کے ساتھ اطاعت نصیب ہو تو دل کی بستی میں بہار آتی ہے۔ جنت کی روشنیاں جھلملانے لگتی ہیں۔ اور جنت کی ہوائیں سکون اور سرور بکھیرتی ہیں۔

لہٰذا یہ بھی ضرور تجربہ کرنا چاہیئے کہ میرے دل کا حال کیسا ہے اگر تو ثواب کا یا تو اس کے اثرات ظاہر ہو رہے ہیں اور اگر ایسی کوئی بات نہیں تو فوراً توبہ اور خشوع و خضوع کے ساتھ دعا اور اللہ کو مسلسل یاد کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ چاہے تو آن واحد میں تلافی مافات بھی ہو سکتی ہے۔ اور ترقی درجات بھی۔

لہٰذا عید انہی کی ہے جن کے دل مطمئن اور یاد الٰہی کے چراغوں سے منور ہیں نہ تو محض خود فریبی ہے۔ جس سے اللہ کی پناہ مانگنا چاہیئے۔ اور دعا کرنا چاہیئے کہ رب العلمین ہمیں غفلت سے پناہ دے اور ہمارے دلوں کو اپنے نام اپنے ذکر اور اپنی یاد سے روشن فرمائے۔

آج تو وقت غنیمت ہے توبہ کا در کھلا ہے اور اصلاح احوال کی فرصت ہے اگر آج اندازہ نہ کیا تو قبر میں جا کر نہ واپسی کی کوئی سبیل ہوگی نہ اصلاح کی۔ فرصت۔ لہٰذا میرے بھائی میرے دوست ہم سب کو اپنا اپنا احوال دیکھنا اور اس پر غور کرنا ضروری ہے کہ آخر ہم نے اس ماہ مبارک میں کس قدر کیفیات پائی ہیں۔

اگر قلب میں یہ کیفیات ہیں کہ نیکی پہ خوش ہو رہا ہے اور خطا پر دکھ محسوس کرنے لگا ہے۔ اگر آخرت کا طالب اور جمال باری کا متمنی ہے تب یہ اندازہ پایا اور اگر ان لذتوں سے خالی رہ گیا تھا تو کھویا کہ ہم اندازہ نہیں کر سکتے۔ اللہ کریم ہماری کوتاہیوں خطاؤں سے درگزر فرماتے ہمارے گناہوں کو معاف فرمائے اور ہمارے دلوں کو روشن اور مطمئن فرمائے آمین

سمندری اور دریائی جانور خواہ مُردہ ہو اس کا کھانا مباح ہے

حدیث جابر بن عبداللہ ﷺ : حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں قریش کے قافلے کی نگرانی کے لیے بھیجا۔ ہم تین سو سوار تھے اور ہمارے امیر حضرت ابو عبیدۃ ابن الجراح ﷺ تھے۔ ہمیں ساحل سمندر پر نصف ماہ تک قیام کرنا پڑا۔ جس کی وجہ سے ہمیں سخت بھوک سے دو چار ہونا پڑا حتےٰ کہ ہم درختوں کے پتے تک کھا گئے اسی لیے اس لشکر کا نام جیش الخبط (پتوں کا لشکر) پڑ گیا اور پھر سمندر نے ہمارے لیے ایک جانور جسے "عنبر" کہا جاتا ہے کنارے پر پھینک دیا اور اسے ہم پندرہ دن تک کھاتے رہے اور اس کی چربی جسم پر ملتے رہے یہاں تک کہ ہمارے جسم دوبارہ اسی طرح تندرست ہو گئے جیسے پہلے تھے (یہ جانور اس قدر عظیم الجثہ تھا کہ) حضرت ابو عبیدہؓ نے اس کی ایک پسلی کھڑی کی اور سب سے طویل القامت شخص کو اونٹ پر بٹھا کر اس پسلی کے نیچے سے گزارا تو وہ آسانی سے گزر گیا۔ حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ لشکر میں سے ایک شخص نے تین اونٹ ذبح کیے، پھر تین اونٹ اور ذبح کیے اس کے بعد تین اونٹ مزید ذبح کر ڈالے لیکن بعد ازاں حضرت ابو عبیدہ ﷺ نے اسے مزید اونٹ ذبح کرنے سے منع کر دیا۔

اخرجه البخاری فی : کتاب ۶۴ المغازی : باب ۶۵ غزوة سيف البحر

تصوّف کا پہلا باب

حافظ عبدالرزاق

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ آدمی جب کلمہ طیبہ پڑھتا ہے تو وہ کفر کو چھوڑ کر اسلام کے دائرے میں آجاتا ہے اور اسے مسلمان کہتے ہیں کیا تم جانتے ہو کہ کلمہ طیبہ کسے کہتے ہیں اور یہ کلمہ پڑھنے سے اتنی بڑی تبدیلی کیوں آجاتی ہے کہ آدمی نے جب تک کلمہ طیبہ نہیں پڑھا تھا وہ کفر کے دائرے میں کھڑا تھا اور اسے کافر کہتے تھے مگر جونہی اس نے یہ کلمہ پڑھا وہ اسلام کے آغوش میں آگیا اور اس کا نام بھی بدل کر مسلمان ہو گیا۔

آؤ کلمہ طیبہ پر غور کریں اس کے الفاظ ہیں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اس کلمہ کے دو حصے ہیں اول لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور دوم محمد رسول اللہ اور ان سے پہلے حصے کے لفظی معنی یہ ہیں کہ اللہ کے بغیر عبادت کے لائق کوئی نہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی جب یہ الفاظ زبان پر لاتا ہے تو وہ ایک عہد کرتا ہے کہ میں اللہ کا بندہ بن کر زندگی گزاروں گا اسی کی غلامی کرونگا جو وہ کہے گا وہی کروں گا زبان سے اس کا اقرار کر لینے کا نام اسلام ہے اور اگر اسی بات کا دل سے یقین کر لے تو وہ سچ مچ کا مسلمان ہو جانے کے لیے پہلا قدم اٹھاتا ہے جب تک وہ دل کے یقین کے ساتھ یہ اقرار اور عہد نہیں کرے گا وہ صرف لوگوں کی نظروں میں مسلمان ہو گا اور مردم شماری کے کاغذات میں اسے مسلمان لکھا جائے گا مگر جب دل میں اس کا یقین بھی ہو گا۔ تو وہ اللہ تعالٰے کے رجسٹر میں مسلمان لکھا جائے گا اس اقرار اور یقین کو توحید کا عقیدہ کہتے ہیں۔

کلمہ طیبہ کے دوسرے حصے کے لفظی معنی ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے جو عہد کیا کہ جو کچھ اللہ تعالٰے کہے گا وہی کروں گا تو مجھے کون بتائے گا کہ اللہ تعالٰی نے یہ حکم دیا ہے یہ تو نہیں ہو سکتا کہ جس کسی نے کہہ دیا کہ اللہ کا یہ حکم ہے تو میں ہر کسی کی بات مان لوں بلکہ میں اقرار کرتا ہوں کہ میں صرف اسی کو اللہ کا حکم سمجھوں گا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم بتائیں گے مگر ان کے بتا دینے کے بعد اس حکم کی تعمیل جیسے میرا جی چاہے گا کروں گا۔ نہیں بلکہ میں اقرار کرتا ہوں کہ اللہ تعالٰی کے ہر حکم کی تعمیل بھی اسی طریقے سے کروں گا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم بتائیں گے اور انہوں نے اللہ کے حکم کی تعمیل کا طریقہ صرف بتایا ہی نہیں بلکہ خود اس کی تعمیل کی اور اپنے ان شاگردوں سے جن کو صحابہ کرام کہتے ہیں ہر حکم کی تعمیل کرائی اور

جہاں کہیں کوئی غلطی دیکھی اس کی اصلاح بھی کر دی۔ کلمہ طیبہ کے اس حصے کا بھی زبان سے اقرار اور دل سے یقین کرنا ہے اس کو عقیدۂ رسالت کہتے ہیں۔ یعنی کلمہ طیبہ پڑھ کر آدمی نے دو عہد کئے اور دو شہادتیں دیں بس اتنا کرنے سے وہ اسلام کے دائرے میں آگیا۔ کلمہ طیبہ کا یہ دوسرا حصہ اتنا اہم ہے کہ اس کے بغیر پہلے حصے یعنی توحید پر ایمان بھی قابل قبول نہیں ہوتا پھر اس حصے کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے جو کام لگایا ہے وہ بڑا اہم ہے اس کے چار حصے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے احکام اللہ کے بندوں تک پہنچانا۔ اس کو تلاوت آیات کہتے ہیں۔

(۲) جو لوگ ان احکام کو قبول کریں انہیں ان کی تعمیل کے لیے یوں تیار کرنا کہ نہایت محبت سے اور سچے دل سے ان احکام کی تعمیل کریں اس کو تزکیہ کہتے ہیں۔

(۳) ان احکام کی تشریح کر کے پورے طور پر سمجھانا اسے تعلیم کتاب کہتے ہیں۔

(۴) ان احکام میں اور ان کی تعمیل میں جو حکمتیں اور باریکیاں ہیں وہ بتانا اسے تعلیم حکمت کہتے ہیں۔

پھر اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بہت بڑی نعمت اور احسان کہا ہے۔ ارشاد باری ہے لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے والوں پر بڑا احسان کیا جب اس نے ان میں ایک رسول بھیجا جو انہی کی جنس میں سے ہے جو انہیں اللہ کے احکام پہنچاتا ہے پھر ان کا تزکیہ کرتا ہے پھر انہیں کتاب کی اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور وہ لوگ اس رسول کے آنے سے پہلے ایک کھلی گمراہی میں گھرے ہوئے تھے۔

یہ چاروں ڈیوٹیاں دینا اس وقت تک کے لیے ضروری ہے جب تک انسان اس کرۂ ارض پر بستا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہوگئی ہے یعنی آپ کے بعد کوئی رسول

عورتوں کا مردوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہونا

حدیث انس ﷺ : حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ جس دن جنگ اُحد ہوئی اور لوگ نبی کریم ﷺ کو چھوڑ کر پسپا ہو گئے تو حضرت ابوطلحہؓ تھے جو آپ کے سامنے کھڑے ہو کر ایک ڈھال سے اوٹ کیے ہوئے تھے اور حضرت ابوطلحہؓ بہت اچھے تیر انداز تھے، آپ کی کمانوں کی تانت بہت سخت ہوتی تھی اور اس دن آپ دو تین کمانیں توڑ چکے تھے اور جب بھی کوئی شخص قریب سے تیروں کا ترکش لے کر گزرتا تو نبی کریمؐ اس سے فرماتے: یہ ترکش ابوطلحہؓ کے آگے ڈال دو! اور جب نبی کریم ﷺ جھانک کر کافروں کی طرف دیکھنے لگتے تو حضرت ابوطلحہؓ کہتے: یارسولؐ اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ اس طرح نہ جھانکیں، مبادا ان لوگوں کا کوئی تیر آپ کو آلگے، میرا سینہ آپ کے سینے کے آگے ہے (یعنی میں آپ پر قربان ہونے کے لیے حاضر ہوں) (حضرت انسؓ کہتے ہیں:) اور میں نے اُم المومنین حضرت عائشہ بنت ابی بکرؓ اور حضرت اُم سلیمؓ کو دیکھا کہ دونوں نے اپنے دامن اس طرح اٹھا رکھے تھے کہ ان کی پنڈلیوں میں پازیب نظر آ رہے تھے اور اپنی پیٹھ پر مشک لاد لاد کر لاتیں اور پیاسے زخمیوں کے منہ میں پانی ڈالتی تھیں اور جب مشکیزہ خالی ہو جاتا تو واپس جا کر اسے پھر بھر لاتیں اور پھر لوگوں کے منہ میں پانی ڈالتیں، اور اس دن حضرت ابوطلحہؓ کے ہاتھ سے دو یا تین مرتبہ تلوار چھوٹ کر گری۔

اخرجہ البخاری فی: کتاب ۶۳ مناقب الانصار: باب ۱۸ مناقب ابی طلحہ رضی اللہ عنہ

نہیں آئے گا جو اکیلا یہ چاروں کام کرے اس لیے اللہ کے آخری نبی نے یہ کام اپنی امت کے سپرد کیا اب اس کی ذمہ داری امت پر ہے مگر چونکہ نبی کے بغیر کوئی اکیلا آدمی یہ کام نہیں کر سکتا اس لیے امت نے اس ذمہ داری کے پورا کرنے کی یہ تدبیر کی کہ کچھ لوگ جو اس کام کے لیے موزوں تھے انہوں نے اللہ کی کتاب یعنی قرآن کریم کے الفاظ سکھانے یعنی تلاوت آیات کی ڈیوٹی سنبھال لی ان کو حافظ یا قاری کہتے ہیں کچھ اور موزوں آدمیوں نے اس کتاب کے معنی اور الفاظ کا مفہوم سکھانے کا کام اپنے ذمے لیا انکو عالم اور مفسر کہتے ہیں کچھ اور لوگوں نے اس کتاب میں حکمت اور دانائی کی وہ باتیں سکھانے کا کام شروع کیا جو اس کتاب کے پہلے معلم یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں موجود ہیں یعنی نبی اکرمؐ کے اقوال، افعال اور پسند و ناپسند کے بیان کے مجموعے کی تعلیم دیتے ہیں جو سراپا حکمت اور دانائی ہے ان کو عالم اور محدث کہتے ہیں اور اس فن کا نام علم حدیث ہے۔

کچھ اور بزرگوں نے تزکیہ کا کام اپنے ذمہ لیا تاکہ مسلمان سچے دل سے اور دلی محبت سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کر سکیں ان لوگوں کو صوفی کہتے ہیں اور نبوت کی ذمہ داریوں کی اس شاخ کا نام تصوف ہے۔

یہ کتاب جس کا اب تم مطالعہ کرنے والے ہو یہ نبوت کی ذمہ داریوں کے اسی حصہ یعنی تصوف کے متعلق ہے تاکہ تم اچھی طرح سمجھ لو کہ تزکیہ کسے کہتے ہیں پھر اس سمجھ کے مطابق اپنا تزکیہ کرنے کا سلیقہ بھی سیکھ لو۔

تصوف کی تعریف

تصوف وہ علم ہے جس کے ذریعہ سے نفس کے تزکیہ، اخلاق کے تصفیہ اور ظاہر و باطن کی تعمیر کے حالات پہچانے جاتے ہیں۔ اس کی غرض ابدی سعادت حاصل کرنا ہے۔

تشریح۔ انسان کا ایک ظاہر ہے جسے بدن یا وجود کہتے ہیں ایک اس کا باطن ہے جسے نفس یا روح کہتے ہیں انسان اپنے جسم یعنی ظاہر کو صاف ستھرا اور بنا سنوار کے رکھے تو مخلوق کی نگاہ میں اچھا سمجھا جاتا ہے اور اپنے نفس یا روح یعنی باطن کو صاف ستھرا اور بنا سنوار کے رکھے تو مخلوق اور خالق دونوں کے ہاں اچھا سمجھا جاتا ہے انسان جب اپنے باطن کو سنوارتا ہے تو اس کی عادتیں اچھی اور اخلاق عمدہ ہو جاتا ہے پھر یہ اپنے باطن کو سنوارنے والا انسان اگر ایمان بھی رکھتا ہو تو اس کی وہ زندگی جو یہاں سے رخصت ہونے کے بعد شروع ہوتی ہے اور کبھی ختم نہیں ہوگی نہایت پر لطف بن جاتی ہے اس کو ابدی سعادت کہتے ہیں۔

تصوف، انسان کو اپنا ظاہر و باطن صاف ستھرا رکھنے کا طریقہ اور سلیقہ سکھاتا ہے اور آدمی اگر تصوف کے بتلائے ہوئے طریقوں کے مطابق زندگی گزارنے لگے تو وہ سچ مچ ایک عمدہ انسان بن جاتا ہے۔

تصوف کی حقیقت۔

تصوف کی غرض ابدی سعادت حاصل کرنا ہے ایسے لوگ جو تصوف کی رہنمائی میں کام کر کے ابدی سعادت حاصل کر لیتے ہیں قرآن کریم انہیں اولیاء اللہ کہتا ہے اور ابدی سعادت کی حقیقت ان الفاظ میں بیان کرتا ہے کہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ یعنی نہ انہیں کوئی خوف ہوگا نہ وہ کبھی غمگین ہوں گے ایسے لوگوں کی نشاندہی کرتے ہوئے قرآن کریم بتاتا ہے کہ ان میں دو وصف ضرور ہوتے ہیں۔ یعنی اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ۔ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں معلوم ہوا کہ سعادت ابدی کا مدار دو چیزوں پر ہے ایمان اور تقویٰ اور ان دونوں کی اصل جگہ انسان کا دل یعنی باطن ہے

اس لیے اگر باطن کی اصلاح نہ ہو تو ایمان اور تقویٰ دونوں حاصل نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا سعادت ابدی کے لیے ایمان کامل اور تقویٰ درکار ہے اور یہ دونوں چیزیں اصلاح باطن سے حاصل ہوتی ہیں پس ابدی سعادت کے لیے اصلاح باطن فرض اور ضروری قرار پایا اور تصوف کی حقیقت اصلاح باطن ہی تو ہے۔

تزکیہ کا مفہوم

اصلاح باطن کے عمل کو قرآن کی زبان میں تزکیہ کہتے ہیں۔ تزکیہ کے لفظ میں دو مفہوم پائے جاتے ہیں اول یہ کہ کدورتوں اور آلائشوں سے باطن کو پاک کیا جائے دوسرا یہ کہ باطن کو زیادہ سے زیادہ خوبیوں سے آراستہ کیا جائے یا یوں کہئے کہ بری عادتیں ترک کی جائیں اور اچھی عادتیں اختیار کی جائیں۔

احسان کا مفہوم

اصلاح باطن یا تزکیہ کو حدیث کی زبان میں احسان کہتے ہیں۔ احسان کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی بری عادتیں ترک کرنے اور اچھی عادتیں پیدا کرنے کا کام اس خلوص اور اس جذبے سے کرے جیسے وہ اپنے رب اور اپنے خالق کو سامنے دیکھ رہا ہے اور آدمی یہ سارا کام صرف اپنے خالق کی خوشنودی اور اس کی رضا کے لیے کرے۔ قرآن کے تزکیہ اور حدیث کے احسان کے لیے بعد میں تصوف کی اصطلاح وضع کی گئی۔

تصوف ایک مستقل فن کیوں

اسلام کی ساری تعلیمات کی بنیاد دو چیزوں پر ہے یعنی قرآن اور حدیث اس کو کتاب اور سنت بھی کہتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے شاگردوں یعنی صحابہ کرام کو دین سکھانے کے لیے صرف قرآن کریم کی تعلیم دیتے تھے۔ قرآن کریم کی تشریح کے لیے حضور اکرمؐ جو کچھ فرماتے اور قرآن کریم کے احکام پر عمل کرنے کا جو طریقہ بتاتے یا کر کے دکھاتے اس سارے بیان کو حدیث کہتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلام جب جزیرۃ العرب سے نکل کر دوسرے ممالک میں پھیلا تو نئے نئے مسائل پیدا ہونے لگے اس لیے علمائے امت نے قرآن و حدیث پر اس انداز سے غور و فکر کرنا شروع کیا کہ ان دو بنیادی ماخذوں میں سے نئے مسائل کا حل تلاش کیا جائے جن حضرات نے صرف قرآن کریم کی عبارت پر غور و فکر کرنا شروع کیا انہیں مفسر کہنے لگے اور یہ ایک مستقل فن بن گیا جسے تفسیر کا فن کہا جانے لگا۔ اسی طرح جن بزرگوں نے صرف حدیث پر غور و فکر کرنا شروع کیا وہ محدث کہلائے اور حدیث کے نام سے ایک مستقل فن شمار ہونے لگا۔ پھر کچھ اور بزرگوں نے نئے مسائل کے حل کے لیے خاص طور پر قرآن و حدیث دونوں پر غور کرنا شروع کیا اور بڑی محنت سے ہر نئے مسئلہ کا حل قرآن و حدیث سے تلاش کرنے میں کامیاب ہوئے اور اس خاص فن کا نام فقہ رکھا گیا اور اس فن کے ماہر کو فقیہ کہنے لگے اسی طرح اصلاح باطن کے لیے قرآن و حدیث پر غور و فکر کرنے سے جو مستقل فن وجود میں آیا اس کا نام تصوف ہوا۔

اگر کوئی شخص فقہ پڑھ رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ قرآن و حدیث کو چھوڑ کر یا اس سے بے نیاز ہو کر کوئی نئی چیز پڑھ رہا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قرآن و حدیث پر غور و فکر کر کے روزمرہ زندگی کے لیے مسائل کا جو حل تلاش کیا گیا ہے وہ پڑھ رہا ہے اسی طرح اگر کوئی آدمی اصلاح باطن کا علم سیکھ رہا ہے تو وہ قرآن و حدیث سے کٹ نہیں گیا بلکہ قرآن و حدیث کا وہ پہلو جس کا تعلق اصلاح باطن یا ایمان و تقویٰ سے ہے اس کا علم حاصل کر رہا ہے اور اس علم کے مطابق عمل کرنے کا سلیقہ سیکھ رہا ہے

تصوف کی ضرورت

شریعت اسلامی میں دو قسم کے اعمال کا ذکر ہے ایک کرنے کے کام دوسرا نہ کرنے کے کام یہ اعمال پھر دو قسم کے ہیں ایک وہ جن کا تعلق بدن یا ظاہر سے ہے مثلاً کرنے کے کام کلمہ پڑھنا، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ اور نہ کرنے کے کام مثلاً کلمہ کفر کہنا، زنا، چوری، قتل، رشوت وغیرہ۔ دوسرے وہ کام ہیں جن کا تعلق دل یا باطن سے ہے، ان میں کرنے کے کام مثلاً ایمان لانا، اخلاص، صبر، شکر، خشوع، اللہ تعالیٰ اور نبی کریمؐ سے قلبی محبت اور نہ کرنے کے کام جیسے باطل عقیدے

تکبر، ریا، حسد وغیرہ۔

قرآن و حدیث میں جہاں ایسے حکم موجود ہیں کہ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ یعنی نماز قائم کرو۔ وہاں ایسے احکام بھی موجود ہیں کہ اِصْبِرُوْا، وَاشْکُرُوْا یعنی صبر کرو شکر کرو اور وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ۔یعنی ایمان والے وہ ہیں جو سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرتے ہیں بلکہ احکام کی تعمیل کی ظاہری صورت میں جب باطنی روح نہ ہو وہ تعمیل ناقص ہے جیسا کہ ارشاد ہے قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خٰشِعُوْنَ ۔یعنی وہ ایمان والے فلاح پا گئے جو اپنی نمازوں میں خشوع کرنے والے ہیں۔

لہٰذا شریعت پر عمل کرنے کے لیے ظاہر احکام میں فقہ کی ضرورت ہے اسی طرح ان احکام کی تعمیل کے لیے جن کا تعلق باطن یا دل سے ہے تصوف کی ضرورت ہے ورنہ احکام کی صورت ہوگی اس میں روح نہ ہوگی۔

فقہ اور تصوف کی حقیقت یوں سمجھئے کہ علم فقہ یہ دیکھتا ہے کہ جس طرح کام کرنے کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اسی طرح اور اسی وقت تم نے وہ کام کیا یا نہیں اور تصوف یہ دیکھتا ہے کہ وہ حکم بجا لاتے وقت تمہارے دل کا کیا حال رہا؟ وہ اللہ کی طرف متوجہ رہا یا نہیں اور تم نے یہ کام صرف اس کی خوشنودی کے لیے کیا یا نہیں؟ یہ کام کرنے سے تمہاری روح کس قدر پاک ہوئی۔ تمہارے اخلاق کہاں تک درست ہوئے۔ تصوف جن چیزوں کو دیکھتا ہے اگر تمہاری عبادت ان سے خالی رہی تو وہ عبادت ناقص ہوگی۔

فقہ اور تصوف کے تعلق کو یوں سمجھئے کہ اگر شریعت کی پابندی ظاہر کے لحاظ سے صحیح ہے مگر اس میں وہ روح نہیں جو تصوف دیکھتا ہے تو اس کی مثال یوں ہے جیسے ایک آدمی نہایت خوبصورت ہو مگر مردہ ہو اسی طرح اگر عبادت میں باطنی خوبیاں تو سب ہوں مگر فقہ کے آداب کے مطابق نہ ہوں اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے کوئی نہایت شریف اور نیک شخص ہو مگر اندھا گونگا بہرا اور اپاہج ہو۔ ان مثالوں سے فقہ اور تصوف دونوں کی حقیقت اور اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔

ذکر الٰہی اور اس کی قسمیں

تصوف کا مقصد اصلاح باطنی ہے اور اس کا مدار قلب کی اصلاح پر ہے جب تک قلب کی اصلاح نہ ہو وہ پریشان رہتا ہے اور بظاہر ہر قسم کا سامانِ سکون موجود ہوتے ہوئے اسکو سکون میسر نہیں آتا جب اسکی اصلاح ہو جاتی ہے تو مادی اعتبار سے کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی اس کو سکون حاصل ہوتا رہتا ہے اور سکون قلب کے لیے صرف ایک نسخہ ہے اور وہ اس نے بتایا جو قلب کا خالق ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ یعنی کان کھول کر سن لو۔ دل کو سکون صرف اللہ کے ذکر سے ملتا ہے اس کے لیے اصلاح باطن کا مقصد پورا کرنے کے لیے تصوف میں یہی نسخہ ابتدا سے آخر تک استعمال کیا جاتا ہے۔

ذکر الٰہی کی تین قسمیں ہیں:

۱ ذکر لسانی یعنی زبان سے اللہ کا ذکر کرنا۔ اور ظاہر ہے زبان کو الفاظ کی ضرورت ہوگی پس وہ الفاظ یا تو اللہ کا پاک نام ہے۔ یا کلمہ طیبہ ہے یا درود شریف ہے استغفار ہے تلاوت قرآن ہے۔ مگر اس ذکر کے لیے کچھ آداب اور شرائط ہیں مثلاً صرف زبان ہی نہ چلتی رہے بلکہ دماغ بھی اسی طرف متوجہ ہو، دل میں صحیح جذبۂ محبت موجود ہو ورنہ صرف ذکر لسانی سے باطن کی اصلاح نہیں ہو سکتی

۲۔ ذکر قلبی یعنی قلب کو ذاکر بنانا تاکہ اس میں اللہ کی یاد رچ بس جائے جب قلب ذاکر ہو جائے تو اس میں اللہ و رسول کی سچی محبت پیدا ہوتی ہے اور اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول کا صحیح جذبہ اور شوق پیدا ہوتا ہے۔

۳۔ ذکر عملی یعنی شریعت کے احکام کی تعمیل کا خیال ہر حال اور ہر کام میں رہے اور ہمیشہ اللہ کی خوشنودی پیش نظر رہے پھر نہایت شوق اور محبت سے احکام کی تعمیل کی جائے۔

یہ آخری قسم مقصد اور مطلوب ہے پہلی دو قسمیں اس مقصد تک پہنچنے کا ذریعہ ہے اور ظاہر ہے جو ذریعہ مقصد تک نہ پہنچا سکے وہ مفت کی مشقت سے زیادہ کچھ نہیں۔ اس قسم کی محنت کی مثال یوں سمجھو کہ انسان نے گاڑھے پسینے کی کمائی سے ایک خوبصورت گاڑی خرید لی اس کی ٹینکی پٹرول

سے بھری مگر وہ چلتی بالکل نہیں یا اگر چلتی ہے تو اس کا صرف ریورس گیئر ہی کام کرتا ہے باقی گیئر کام نہیں کرتے اب کوئی بتائے کہ وہ گاڑی کس کام کی ہے اور اس پر جو رقم خرچ ہوئی وہ کس کھاتے میں گئی۔ اسی طرح اگر انسان عمر بھر ذکر لسانی اور ذکر قلبی کرتا رہا مگر ذکر عملی کی نوبت نہ آئی نہ باطن کی اصلاح ہوئی نہ اخلاق درست ہوئے نہ معاملات صاف ہوئے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے ذکر الٰہی کیا ہی نہیں صرف ذکر کی ایکٹنگ کرتا رہا۔

تزکیہ کا طریقہ

تزکیہ یا اصلاح باطن کے لیے اللہ کریم کا بتایا ہوا نسخہ صرف ذکر الٰہی ہے اس نسخہ کے استعمال کے لیے کچھ آداب و شرائط ہیں خاص سلیقہ ہے ان کا خیال نہ رکھا جائے تو کامل شفا نہیں ہوتی یعنی نہ تو باطن کی اصلاح ہوتی ہے نہ ظاہر اعمال پر اس کا کچھ اثر ہوتا ہے نہ عادتیں بدلتی ہیں نہ معاملات درست ہوتے ہیں وہ آداب یہ ہیں۔

۱۔ خلوص نیت دل کا ایسی چیز کی طرف ابھرنا جس کو وہ اپنے لیے مفید سمجھتا ہے نیت کہلاتا ہے تزکیہ کے لیے سب سے پہلے خلوص نیت ضروری ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے دل میں یہ خواہش پیدا ہو کہ مجھے اپنے باطن کی اصلاح کرنی چاہیئے اس کے بغیر صحیح سمت میں قدم اٹھ ہی نہیں سکتا۔

۲۔ علم اس بات کا علم ہونا چاہیئے کہ باطن کی برائیاں اور خرابیاں یا بری عادتیں کون کونسی ہیں جن کو دور کرنے یا ترک کرنے سے تزکیہ کا عمل شروع ہوتا ہے اور باطن کی خوبیاں یا اچھی عادتیں کون کونسی ہیں جنہیں اپنے اندر پیدا کرکے تزکیہ کے عمل کی تکمیل ہوتی ہے۔

۳۔ ماہر استاد کی تلاش اور اس کی شاگردی اختیار کرنا

کوئی علم یا فن ماہر استاد کی رہنمائی کے بغیر نہیں سیکھا جاسکتا۔ طب یا ڈاکٹری کو لیجئے یہ صحت حاصل کرنے کا علم اور فن ہے اور یہ علم طب یا ڈاکٹری کی کتابوں میں بھرا پڑا ہے مگر کوئی بیمار طب کی کتابیں دیکھ کے اپنا علاج نہیں کیا کرتا بلکہ کسی ماہر ڈاکٹر ہی سے علاج کراتا ہے یہ حال تو جسم کی بیماری کا ہے جو ظاہر محسوس ہوتی ہے بھلا باطن کی کسی بیماری کا علاج کوئی شخص صرف کتابیں دیکھ کے خود بخود کیسے کرسکتا ہے۔ تصوف میں ماہر استاد کو شیخ کہتے ہیں اور اس ادب کا نام ضرورت شیخ ہے

۴۔ مجاہدہ ماہر استاد یا شیخ کی رہنمائی میں پوری کوشش سے اصلاح باطن کا نسخہ استعمال کرنے کا نام مجاہدہ ہے۔ تزکیہ کے لیے خود محنت کرنا اور ماہر استاد کی رہنمائی حاصل کرنا دونوں ضروری ہیں یہاں نہ تو بغیر چلے کام چلتا ہے نہ بغیر استاد کے سیدھے راستے پر چلنے کا سلیقہ آتا ہے اس لیے تزکیہ حاصل کرنے کے لیے شیخ کامل کی رہنمائی میں ذکر الٰہی کرتے رہنا ضروری ہے۔

۵۔ اخلاص کوئی کام صرف اس نیت سے کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہو اخلاص کہلاتا ہے اگر انسان اس نیت سے ذکر الٰہی کرے کہ لوگ واہ واہ کریں شہرت ہو جائے یا ایسا کرے کہ کوئی دنیوی مفاد حاصل کیا جائے تو خواہ عمر بھر مجاہدہ کرتا رہے تزکیہ نہیں ہوگا۔

۶۔ جائزہ ان آداب و شرائط کے ساتھ ذکر الٰہی کرتے رہنے سے انسان کے اندر کچھ تبدیلی آنا شروع ہو جاتی ہے مثلاً انسان کی سوچ کا رخ بدل جاتا ہے پسند و ناپسند کا معیار بدلنے لگتا ہے دل جن غلط کاموں کی طرف مائل تھا ان سے نفرت ہونے لگتی ہے اپنا جائزہ لیتے رہنے سے جب ایسی تبدیلی محسوس ہو تو سمجھ لے کہ اب کام بننے لگا ہے اس وقت کرنے کا کام یہ ہوتا ہے کہ آدمی دیکھے کون کونسی بری عادتیں مجھ میں پائی جاتی تھیں جن سے اب نفرت ہونے لگی ہے۔ یہ معلوم کر لینے کے بعد پوری مستعدی سے ان بری عادتوں سے پیچھا چھڑانے میں سرگرم عمل ہو جائے۔

۷۔ توبہ توبہ ایک انقلابی عمل کا نام ہے اس کی حقیقت سمجھنے کے لیے اس امر پر غور کیجئے۔ فرض کرو ایک آدمی ایک پختہ سڑک پر چلتے ہوئے اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا تھا

دائیں بائیں کو دلفریب منظر سامنے آگیا وہ بے خیالی میں پختہ سڑک کو چھوڑ کر اس منظر کی طرف جانے والی پگڈنڈی پر چل پڑا کچھ دور جاکر دیکھا تو اپنے آپ کو گھنے جنگل میں پایا جہاں سانپ بچھو ہیں درندے ہیں چور اور ڈاکو چھپے بیٹھے ہیں اسے سخت ندامت ہوئی گھبرایا۔ جدھر سے آیا تھا الٹے پاؤں اسی جانب دوڑ پڑا حتیٰ کہ پھر اسی پختہ سڑک پر پہنچ گیا اور سکھ کا سانس لیا ایک نئے جذبے کے ساتھ پھر اس سڑک پر چلنا شروع کیا اور منزل کی طرف بڑھنے لگا۔ یہ واپسی کا عمل توبہ کہلاتا ہے۔

اسی طرح انسان کا ازلی دشمن اسے سبز باغ دکھاتا ہے فوری اور وقتی لذتوں کی طرف مائل کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ کا بندہ اطاعت و فرمانبرداری کی جس صراط مستقیم پر چل رہا ہوتا ہے اسے چھوڑ کر اللہ کی نافرمانی اور گناہ کی زندگی اختیار کر لیتا ہے۔ اگر اس کے اندر کا انسان مر نہ گیا ہو تو اسے کسی وقت ضرور احساس ہو جاتا ہے کہ میں غلط راستے پر چل رہا ہوں پھر وہ پشیمان ہوتا ہے پھر اس غلط راستے کو چھوڑ کر اطاعت و فرمانبرداری کا رویہ اختیار کرتا ہے اس سارے عمل کا نام توبہ ہے۔ تزکیہ کے عمل میں پہلا مقام بھی توبہ ہے۔ مقام توبہ کے مختلف مدارج ہیں۔ سب سے پہلے گناہ کا احساس پھر ندامت پھر گناہ کی زندگی ترک کرنے کا عزم اور آخر میں اطاعت کی زندگی اختیار کرنے کی عملی جدوجہد۔ یہ مراحل طے ہوں تو یوں سمجھے کہ تزکیہ کا عمل شروع ہو گیا۔

اگر انسان ذکر ذکر الٰہی کر رہا ہے یعنی اصلاح باطن کا وہ نسخہ جو اللہ کریم نے بتایا ہے بڑی پابندی سے استعمال کر رہا ہے مگر اس کی زندگی میں توبہ کا مقام آیا ہی نہیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس کی نیت درست نہیں یا دوا کے ساتھ بد پرہیزی کا سلسلہ جاری ہے ورنہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ یہ نسخہ بے اثر ثابت ہو اس لیے اسے چاہیئے کہ جتنا جلد ہو سکے مقام توبہ طے کرنے کی کوشش کرے

قرآن وسنت میں ذکر الٰہی کی تاکید

قرآن کریم کتاب ہدایت ہے اور اللہ کریم کی آخری اور مکمل کتاب ہے اس میں انسان کی ہدایت کے لیے کرنے کے کام اور نہ کرنے کے کام بڑی تفصیل سے درج کر دیئے گئے ہیں جو کام جتنا اہم اور ضروری ہوتا ہے اس کی اتنی ہی تاکید کی گئی ہے۔ اس کتاب میں ۱۶۵ مقامات پر ذکر الٰہی کا بیان ہوا ہے اور مختلف شکلوں میں اس کی تاکید موجود ہے۔ کہیں تو براہ راست ذکر کرنے اور کثرت سے ذکر کرنے کا حکم ہے کہیں ذکر کرنے والوں کی فضیلت کا بیان ہے کہیں ذکر نہ کرنے کے نقصانات کی تفصیل دی گئی ہے۔

اسی طرح حدیث کی کتابوں میں ذکر الٰہی کی تاکید کرنے والی بے شمار حدیثیں ملتی ہیں یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ہر چیز کی میل دور کرنے اور اسے چمکانے کی کوئی تدبیر ضرور ہوتی ہے اسی طرح دل کے میل کو دور کرنے اور اسے روشن کرنے کی واحد تدبیر اللہ کا ذکر ہے، ایک اور حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام نے پوچھا کونسا عمل سب سے اعلیٰ اور سب سے افضل ہے تو حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے افضل عمل یہ ہے کہ جب تو دنیا سے جانے لگے تو تیری زبان پر اللہ کا نام ہو"

کسی اور کا کیا کہنا صدیقہ کائنات ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْ كُلِّ اَحْيَانِهٖ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کے ہر لمحے میں اللہ کو یاد کرتے رہتے تھے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جو کام حضور اکرمؐ کو اتنا پسند ہو کہ ایک لمحے کے لیے بھی اسے چھوڑنا گوارا نہ ہو اس کام کے افضل ہونے میں کون شک کر سکتا ہے۔

تصوف کا عملی زندگی سے تعلق

زندگی میں انسان کی ساری دوڑ دھوپ اور جدوجہد صرف

دو کاموں کے لیے ہے اول وہ چیزیں جو اسے پسند ہیں ان کے حاصل کرنے میں لگا رہے دوم وہ کچھ جو اسے پسند نہیں ان کو دور رکھنے یا ان سے دور رہنے کی تدبیریں سوچ کر عمل کرتا ہے اور قدرتی بات ہے کہ انسان کو وہی چیز پسند ہوتی ہے جسے وہ اپنے لیے مفید سمجھتا ہے اور وہ چیزیں اسے ہرگز پسند نہیں ہوتیں جنہیں وہ نقصان دہ سمجھتا ہے۔ اور یہ فیصلہ کرنا کہ کونسی چیز مفید ہے اور کونسی مضر دماغ اور عقل کا کام ہے مگر ہر انسان کا دماغ اتنا پختہ اور عقل اتنی کامل نہیں ہوتی کہ وہ خود صحیح فیصلہ کر سکے اس لیے اللہ کریم جو علیم و خبیر ہے اس نے یہ کام اپنے ذمہ لیا اور اپنے رسول کے ذریعے انسان کو مفید اور مضر کا علم دے دیا بلکہ اس کا معیار بھی بتا دیا کہ مفید وہ ہے جو انسان کی آخرت سنوارے اور مضر وہ ہے جس سے انسان کی آخرت بگڑ جائے اور انسان نے یہ جان لیا کہ یہ مفید ہے یہ مضر مگر کام کرنے کے لیے صرف جاننا کافی نہیں ہوتا ماننا بھی ضروری ہوتا ہے اور ماننا دماغ کے فیصلہ کے ماتحت نہیں ہوتی مثلاً ہر شخص جانتا ہے کہ شراب پینا صحت کے لیے مضر ہے۔ ہیروئن کا استعمال صحت کو تباہ کر دیتا ہے مگر لوگ شراب بھی پیتے ہیں اور ہیروئن کا استعمال کرتے ہیں کیونکہ ان کا دل کہتا ہے مجھے یہ پسند ہے۔ عقل کہتی ہے کسی کو ناحق قتل کرنا انسانیت نہیں درندگی ہے مگر لوگ بے تحاشا قتل کرتے ہیں اور جب سے کلاشنکوف مارکیٹ میں آئی ہے یہ کاروبار زوروں پر ہے ایسا کیوں ہے؟ اس لیے کہ ان کا دل کہتا ہے مجھے یہ شغل پسند ہے۔ معلوم ہوا کہ انسان کا عمل اس کے دل کے

تابع ہوتا ہے اس لیے محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دل اگر سنور جائے تو زندگی کا سارا نظام سنور جاتا ہے اور اگر دل بگڑ جائے تو زندگی کا سارا نظام بگڑ جاتا ہے۔

تصوف کا مقصد باطن یا دل کی اصلاح ہے اس لیے تصوف کا زندگی سے صرف تعلق ہی نہیں بلکہ یہ تصوف ہی تو ہے جو انسان کے دل کی اصلاح کر کے اسکی عملی زندگی کو سنوارتا ہے افراد جب سنور جائیں تو معاشرہ سنور جاتا ہے اور ایسے معاشرے میں ہر فرد امن و سکون محسوس کرتا ہے جس معاشرے میں نہ تو انسان کی جان محفوظ ہو نہ مال نہ عزت و آبرو وہ معاشرہ بگڑا ہوا ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس معاشرے کے افراد بگڑے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کے بگاڑ کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ افراد کے دل بگڑے ہوئے ہوتے ہیں دلوں کی اصلاح کا انتظام نہیں ہوتا۔ یہ تصوف ہی تو ہے جس کا واحد مقصد دلوں کی اصلاح ہے پس معلوم ہوا کہ حقیقی انسان بننا اور انسان بن کر زندہ رہنا تصوف کے بغیر ممکن نہیں۔

لطائف سے کیا مراد ہے؟

انسان کا جسم بہت سے اعضاء سے مل کر بنا ہے اور یہ سارے اعضاء اللہ تعالیٰ کی عطا اور نعمت ہے تاکہ انسان ان کے ذریعے زندگی کی مختلف ضرورتیں پوری کر سکے۔ کچھ اعضاء اتنے اہم ہیں کہ ان میں سے کوئی ایک عضو اگر کام کرنا چھوڑ دے تو باقی سارے اعضاء بے کار ہو کر رہ جاتے ہیں مثلاً انسانی دل کو دیکھو اگر یہ حرکت کرنا یا دھڑکنا بند کر دے تو آنکھیں دیکھنا چھوڑ دیتی ہیں کان سنتے نہیں۔ زبان بول نہیں سکتی ہاتھ پاؤں حرکت نہیں کر سکتے ایسے اہم ترین اعضاء کو طبیب لوگ اعضائے رئیسہ کہتے ہیں اور ڈاکٹر انہیں VITAL PARTS کہتے ہیں یہ اعضائے رئیسہ پانچ ہیں۔ دل، دماغ، جگر، معدہ، اور پھیپھڑے۔ اس لیے تجربہ کار طبیب اور ماہر ڈاکٹر علاج کرتے وقت ان اعضاء کی اصلاح اور صحت کا خاص خیال رکھتے ہیں کیونکہ یہ صحت مند اور درست رہیں تو سارا جسمانی نظام درست رہتا ہے۔

اسی طرح اس جسم انسانی کے اندر ایک اور چیز ہے جسے جان یا روح کہتے ہیں اور یہ اتنی اہم ہے کہ جب تک یہ جسم کے اندر ہے انسان زندہ رہتا ہے اور یہ نکل جائے تو اسے مردہ کہتے ہیں زندہ انسان جو کام کرتا ہے وہ دراصل روح ہی کرتی ہے جسم کے اعضاء تو بس اس کے لیے اوزار یا اسلحہ کا کام دیتا ہے اس لیے اگر روح صحت مند ہو تو جسم سے ایسے کام کراتی ہے جو خود اس انسان کیلئے

اور پورے معاشرے کے لیے مفید ہوتے ہیں اور اگر روح کی اصلاح نہ ہو تو جسم ایسے کام کرتا ہے کہ انسان اور حیوان میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا اور اگر روح زیادہ بگڑے تو وہ جسم انسان کی شکل میں ایک درندہ ہوتا ہے۔

جسم کی طرح روح کے بھی کچھ اعضائے رئیسہ ہیں جن کو لطائف کہتے ہیں جس کی واحد لطیفہ ہے۔ یہ لطائف پانچ ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ قلب، روح، سری، خفی اور اخفیٰ باطن کی اصلاح کرنے والے طبیب بھی ان اعضائے رئیسہ کی صحت اور اصلاح پر زیادہ توجہ دیتے ہیں کہ ان کی اصلاح ہو گئی تو سارا باطنی یا روحانی نظام سنور جائے گا اور یہ اصلاح شدہ روح جس جسم کے اندر ہوگی وہ جسم ایسے کام کرے گا جو خالق اور مخلوق دونوں کے ہاں پسندیدہ ہونگے۔

باطن کی اصلاح کے لیے جب کسی ماہر استاد یعنی شیخ کامل کی رہنمائی میں ذکر الٰہی کیا جاتا ہے تو ان لطائف کی اصلاح ہو جاتی ہے اور یہ چمک اٹھتے ہیں روشن اور منور ہو جاتے ہیں ذکر الٰہی سے جب یہ نور حاصل ہو جاتا ہے تو شیطان کو انسان کے باطن میں نقب لگانے کا موقع نہیں ملتا اور انسان کے دل کا تعلق اپنے رب سے قائم رہتا ہے اور انسان صحیح معنوں میں انسان بن جاتا ہے۔

یہ لطائف دراصل روح کی مختلف قوتوں کے مرکز ہوتے ہیں جسم انسانی میں ان لطائف کے مقامات یہ ہیں۔

پہلا لطیفہ قلب ہے اس کا مقام وہ ہے جہاں سینے میں بائیں طرف یہ گوشت کا لوتھڑا دل دھڑک رہا ہے۔

دوسرا لطیفہ روح۔ ٹھیک پہلے لطیفے کے مقابل سینے میں دائیں طرف۔

تیسرا لطیفہ سری۔ پہلے لطیفے کے تین انچ اوپر بائیں طرف

چوتھا لطیفہ خفی تیسرے لطیفہ کے سامنے دائیں طرف

پانچواں لطیفہ اخفیٰ قم معدہ کی جگہ جہاں دونوں طرف سے پسلیاں آکر ملتی ہیں۔ ذکر الٰہی کرتے وقت ابتدا میں ان لطائف کو ہی روشن کیا جاتا ہے۔ تاکہ ان پر سے گناہ اور غفلت کی ظلمت دور ہو جائے اور ان میں اطاعت الٰہی کی قوت پیدا ہو جائے۔

عملی کام

لطیفہ، قلب، روح اور سری راسخ کرانا۔

نوٹ: کتاب تصوف وسیرۃ میں سے ان لطائف کے متعلقہ ابواب کا مطالعہ کرنا اور ان بیان کردہ حقائق کی روشنی میں اپنا جائزہ لینا کہ تزکیہ کا عمل کس قدر ہوا ہے۔

کھانا تھوڑا ہونے کے باوجود اس میں دوسرے کو شریک کرنے کا ثواب

نیز یہ کہ اگر کھانا دو آدمیوں کا ہو اور اس میں ایک اور کو شریک کر لیا جائے تو تینوں کے لیے کافی ہو جاتا ہے

۔حدیث ابوہریرہ ؓ: حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دو آدمیوں کا کھانا تین آدمیوں کے لیے کافی ہو جاتا ہے اور تین آدمیوں کا کھانا چار کے لیے کافی ہو جاتا ہے (اگر مل کر کھائیں)۔

اخرجه البخاری فی: کتاب الاطعمة: باب۱۱ طعام الواحد یکفی الاثنین

اِسلام

اور

نظریۂ اکثریّت

حضرت مولانا محمد اکرم

انسان ہمیشہ سے کسی بھی مقصد کو پاتے کے لیے وسائل کی تلاش میں رہتا ہے۔ دوسروں کو بھی اپنا ہمنوا بنانے کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ یہ ایک ایسا عمومی قاعدہ ہے کہ کسی کو تسخیر ممالک کی سوجھی تو اس نے بڑی فوج بنانے کا سوچا کسی کو کوئی بات منوانے کی سوجھی تو اس نے وہ بات بہت سے لوگوں تک پھیلائی۔ بہت سے لوگوں کو ہم نوا بنا کر اس میں قوت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ یہ طریقہ کار اس قدر پھیلا اور اتنا عام ہوا کہ آج تک دنیا میں سب سے زیادہ پسندیدہ طریقہ حکومت بھی جمہوریت ہے۔ جسطرف اکثریت کی رائے ہو یا جو اکثر لوگ چاہتے ہوں اس طرح سے حکومت کی جائے یا جس کو اکثر لوگ پسند کریں اسی کو جمہوریت کا نام دیا گیا ہے۔

بعض لوگ کھینچ تان کر اسلام کی بھی اصلاح کرتے ہیں۔ حق تو یہ تھا کہ اسلام اللہ کا دین تھا اسی نے جو فیصلے کئے وہ اللہ جل شانہ، کے تھے مخلوق کے فیصلوں کو اسلام کے فیصلوں کی روشنی میں پرکھا جاتا جو اسکے مطابق ہوتے وہ صحیح تھے اور جو اس سے مطابقت نہ رکھتے ان میں تبدیلی کی جاتی یا ان کی اصلاح کیجاتی لیکن اب معاملہ کچھ اسطرح سے ہو گیا ہے لوگ یہ چاہتے ہیں کہ جو عام دنیا کا رویہ ہو کھینچ تان کر اسلام کو اس کے ساتھ متفق کیا جائے اور یہ صحیح نہیں ہے اسلام اللہ کا فیصلہ ہے اور یہ ناقابل تبدیلی ہے۔ ناقابل تنسیخ ہے اسمیں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ کوئی چیز اسمیں سے منسوخ نہیں ہو سکتی یہ اپنی تکمیل سے لیکر جب تک دنیا قائم ہے تب تک انسان کا ضابطہ حیات

ہے اللہ کا پسند کیا ہوا اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

اسلام کے طریقہ کار میں کیا ہے ہم بھی آج کل یہی سمجھتے ہیں کہ ہمیں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ساتھ ملانا چاہیئے۔ اور یہ صرف سیاست میں نہیں ہے۔ مذہب میں، مذہبی پارٹیوں میں بھی ہے۔ مذہبی پارٹیوں میں بھی ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ممبر بنایا جائے۔ اور اپنے ساتھ ملایا جائے۔ اسلام کی بنیاد ہے اللہ اور اسکے بندے کے تعلقات پر، اسلام میں بھی یہ بات درست ہے کہ آپ اللہ کا پیغام اللہ کا دین لوگوں تک پہنچائیں۔ لیکن اپنی پارٹی کی تعداد بڑھانے کے لیے نہیں۔ اپنی اکثریت بنانے کے لیے نہیں اس شخص کے فائدے کے لیے جس کے ساتھ آپ بات کرتے ہیں اور اپنی ذمہ داری ادا کرنے کے لیے کہ اللہ کی بات اس تک بھی پہنچ جائے اور اس کا تعلق رب جلیل سے درست ہو جائے۔

ایک محبوب کے دو چاہنے والے آپس میں رقیب ہوتے ہیں لیکن اللہ سے محبت کرنیوالے اربوں ہوں کھربوں ہوں وہ ایک دوسرے کے جانثار رفیق ہوتے ہیں۔ یہ بہت بڑا فرق ہے۔ اللہ کی محبت ہیں اور غیر اللہ کی محبت میں۔

دنیا کی طلب ہو، دولت کی طلب ہو، اقتدار کی محبت ہو کوئی چیز بھی، کسی انسان سے محبت ہو، کسی مکان سے ہو، کسی جانور سے ہو، کسی بھی چیز سے ہو۔ آپ بھی لینا چاہتے ہیں۔ دوسرا بھی اس پر جان دیتا ہے۔ تو دونوں میں لڑائی ہو گی۔ لیکن اللہ جل شانہٗ کی محبت کا یہ کمال ہے کہ ایک شخص بھی اللہ پہ جان نثار کرنے کو تیار ہو دوسرا بھی اللہ کی محبت میں فنا ہو رہا ہو۔ وہ دونوں بھی ایک دوسرے پر بھی جان نثار کرنے کو تیار ہوں گے تو غیر اللہ کی محبت میں اور اللہ کی محبت میں یہ بہت بڑا فرق ہے۔

سو جب ہم اللہ کے لیے کام کریں گے کہ جو آدمی اللہ کا طالب بن جائے گا، وہ آپ میں رفیق اللہ کی طرف سے بن جائے گا۔ اسے اپنے اور رفیق بنانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ ایک شخص دنیا کے لیے کام کرتا ہے۔ اقتدار کے لیے کام کرتا ہے اپنی جماعت بنانے کے لیے کام کرتا ہے۔ ملک لینے کے لیے کام کرتا ہے، دولت جمع کرنے لیے کام کرتا ہے۔ کسی دوسرے ملک کے لیے کام کرتا ہے۔ اس کی بنیاد یہ ہوتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنا ہم نوا بنائے لیکن جو کام دین کے لیے کیا جاتا ہے اس کیلئے لوگوں کو اپنا ہم نوا بنانے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ نہایت خلوص کے ساتھ اس بندے تک اللہ کی بات پہنچانا ضروری ہوتی ہے۔ تاکہ اس کا تعلق اپنے رب سے ہو جائے۔

سو فرمایا اگر اس میں کوئی منافقت کرتا ہے آپ کسی کو تبلیغ کرتے ہیں۔ اللہ کے لیے بات بتاتے ہیں بظاہر وہ اللہ کیلئے سن لیتا ہے بظاہر وہ دین کی حمایت کرتا ہے لیکن دل سے وہ ایسا نہیں کرتا تو فرمایا پھر بھی بات پہنچانے والے کا کچھ نہیں بگڑتا۔ کیونکہ ایسا بھی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہوا۔ جب اسلام مدینہ منورہ میں ایک ریاست تعمیر کر رہا تھا۔ مکی زندگی میں کسی کو منافقانہ رویہ اپنانے کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ وہاں تو ایمان لا کر کچھ پلے سے دینا پڑتا تھا۔

منافقت اس وقت شروع ہوتی ہے جب کچھ دنیوی فوائد ہوں، چونکہ منافق تو قربانی کرنے کے لیے منافق نہیں بنتا وہ تو کوئی دنیوی فائدہ اٹھانے کے لیے بنتا ہے۔

مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست تھی اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ دنیوی فوائد بھی وابستہ ہو گئے۔ منافقین کی ایک جماعت بھی پیدا ہونا شروع ہو گئی تو بعض لوگ بظاہر دب کر یا مرعوب ہو کر استفادہ اٹھانے کے لیے کہتے کہ جی ہم آپ کی اطاعت کریں گے۔ ہم ایمان لاتے ہیں بعد میں وفا نہیں کرتے تو اللہ کریم نے تشفی دیتے ہوئے فرمایا۔ وَاِنْ یُّرِیْدُوْٓا اَنْ یَّخْدَعُوْكَ ۔ اے میرے حبیب اگر یہ لوگ چاہتے بھی کہ آپ کو دھوکا دیں تو یہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے چونکہ آپ اپنا فائدہ ان سے لینا ہی نہیں چاہتے دھوکہ کیا دیں گے۔ یعنی جو شخص کام ہی اللہ کے لیے کر رہا ہے آپ اسے کیا دھوکا دیتے ہیں۔ ایک شخص اپنے لیے اپنی ذات کے لیے اپنے فائدے کے لیے آپ سے محبت کر رہا ہے تو آپ اسے وہ فائدہ

نہیں پہنچائیں گے اس کا تو نقصان ہوگیا۔ لیکن ایک شخص اللہ کے لیے کام کر رہا ہے۔ اس کی بات نہیں مانیں گے تو اس کا کیا بگڑے گا یا آپ اسے منہ پہ کہہ دیں گے کہ بات ہم نے مان لی یا بات نہیں مانیں گے تو اس کا کیا بگڑے گا۔ وہ تو اپنی بات کر کے اللہ کی طرف سے جو فریضہ تھا اس کا حق ادا کر کے فارغ ہوں گے۔ اگر مانیں گے تو فائدہ اٹھائیں گے۔ نہیں مانیں گے تو اللہ دیکھ رہا ہے۔

تو یہی حال فرمایا: میرے حبیبؐ جو لوگ آپ سے دھوکا کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری مصیبت یہ بھی ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں، قرآن حکیم ہر پڑھنے والا اپنے آپ کو فارغ کر کے علیحدہ کر کے قرآن کی تلاوت کرتا ہے اکثر یہ ہوتا ہے کہ جب ہم قرآن پڑھتے ہیں ترجمہ پڑھتے ہیں اس کی تفسیر پڑھتے ہیں تو ہم یہ کہتے ہیں یہ لوگوں کے لیے ہے دوسروں کے لیے ہے یہ مکہ کے منافقین کے حق میں ہے یہ مدینہ کے منافقین کے حق میں تھا یہ مکہ کے مشرکین کے حق میں تھا یہ صحابہؓ کی فضیلت ہے یہ حضورؐ کے فضائل ہیں یہ ایسے ہے یہ ایسے ہے سب کو مان لیتے ہیں۔ ہمارے لیے اس میں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ حالانکہ قرآن حکیم ہر پڑھنے والے سے بات کر رہا ہوتا ہے، چونکہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے، بیشک اس کے مخاطبین اول وہی لوگ ہیں جب یہ نازل ہوا تو وہ موجود تھے۔ لیکن یہ صرف ان لوگوں کے لیے نہیں تھا یہ قیامت تک ساری انسانیت اس کی مخاطب ہے، آج بھی اگر ہم مسجد میں جو بیٹھے ہیں یا ہم جو بازار میں بیٹھے ہیں یا جو مسلمان کہلاتے ہیں یا جو لوگ مسلمان نہیں کہلاتے یا جو شخص بھی زبانی اقرار کرتا ہے کہ اسلام بہت اچھی بات ہے۔ اسلام ایک اچھا دین ہے اسلام پر عمل کریں گے، ہمیں کرنا چاہیے ہم کر رہے ہیں اور کرتا نہیں۔

نصف صدی تقریباً ہو گئی ہے اپنے پورے زور سے ہم کہہ رہے ہیں کہ ہم نے یہ ملک اسلام کیلئے بنایا ہے اور اس پر اسلام نافذ کر رہے ہیں۔ پتہ نہیں کس طرح سے ہم کرتے ہیں، ہم دوسرے تیسرے دن اعلان کرتے ہیں کہ ہم نفاذ اسلام کے عمل کو تیز تر کر رہے ہیں۔ یہ ایک عجیب محاورہ زبان پہ آگیا ہے تیز سے تیز تر کرتے ہیں۔ لیکن ہوتا ہوتا کچھ نہیں۔ اگر آج ہم اللہ سے، اللہ کے حبیب کے دین سے، اس طرح سے جھوٹ بولیں گے تو ہم بھی وہی دھوکا دینے والے شمار ہوں گے۔ اسطرح وہ مدینہ کے منافق زبان سے کہتے تھے کہ آپ جو کچھ فرما رہے ہیں یہی درست ہے لیکن علیحدگی میں اپنے لیے سوچتے تھے

تو اللہ کریم نے فرمایا۔

اِنْ یُّرِیْدُوْٓا اَنْ یَّخْدَعُوْکَ :۔ کہ لوگ چاہیں گے آپ کو دھوکا دیں تو آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اس لیے فَاِنَّ حَسْبَکَ اللّٰہُ ط :۔ آپ کا رب کافی ہے ۔۔ آپ کام کر رہے ہیں اللہ کا، آپ نبی ہیں۔

وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ :۔ جو کچھ میں کر رہا ہوں اس پر میں کسی سے اجرت طلب نہیں کرتا جو مخلوق سے لیتا کچھ نہیں۔ کام بھی اللہ کے لیے ہو رہا ہے۔ تو فرمایا میرے حبیبؐ آپ کا یہ کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے کہ آپ کا اللہ کافی ہے اس اللہ نے دنیا میں عالم اسباب میں وہ الیاکریم ہے اللہ اس کی مدد کس طرح سے شامل حال ہوتی ہے۔ ھُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَکَ بِنَصْرِہٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ :۔ اس نے اپنی مدد کسطرح سے آپ کو پہنچائی ہے۔ کہ اس کی برکات کہ اس کی تائید اس کی تجلیات اس کی طاقتیں آپ کے ساتھ ہیں اور پھر دنیا میں اسباب ظاہری میں مخلص اور اطاعت شعار بھی۔ آپ کے لیے اس نے پیدا فرما دیے۔ ایسے بھی ہیں جو آپ کے قدموں پہ جان نچھاور کرنا ہی سعادت سمجھتے ہیں۔ تو آپ کے لیے حق پہ مرنا شرط ہے کثرت کے ساتھ ہونا شرط نہیں - آپ حق پہ رہیں آپ کے ساتھ دو آدمی ہیں دس ہیں پچاس ہیں یا ہزار ہیں وہ جتنے بھی ہیں وہ سارے حق پر ہوں اور اگر ناحق پہ دس لاکھ بھی ہیں تو اسلام اس کی پرواہ نہیں کرتا۔ یہ جو مغربی طرز کی جمہوریت ہے اس میں کوئی بھی انصاف کی بات نہیں ہے اور یہ ایک بڑا حسین دھوکا ہے۔

یہ جو کہتے ہیں نا اکثریت کی بات مانی جاتی ہے یہ بھی جھوٹ بولتے ہیں آپ اپنے ملک میں دیکھیں جو شخص جیت جاتا ہے وہ کوئی ایک پارٹی جیتتی ہے۔ کیا اس کے پاس پورے ووٹس کی اکثریت ہوتی ہے۔ کبھی نہیں۔ ہمیشہ ہارنے والوں کا اگر آپ ٹوٹل کریں تو اکثریت اس طرف ہوتی ہے یہ اور بات ہے کہ جو دس پارٹیاں ہونگی آٹھ پارٹیاں ہوں گی۔ انہوں نے لوگوں کو آپس میں بانٹ رکھا ہو گا۔ لیکن ملک کی آبادی کے اعتبار سے ہارنے والے ہمیشہ اکثریت میں ہوتے ہیں۔ بلکہ سب سے بڑی جیت تو ہمارے ملک میں پیپلز پارٹی کی ہوئی اور وہ بھی تیس فیصد سے زیادہ ووٹ تو نہیں لے سکے تھے۔ بقیہ ساٹھ فیصد جو تھے وہ دوسری پارٹیوں کے پاس تھے۔ دس فیصد لوگوں نے ووٹ ہی نہیں دیئے۔ ساٹھ فیصد جو تھے وہ دوسری پارٹیوں کے پاس تھے۔ اور کہتے ہیں جی جمہوریت میں اکثریت جیت جاتی ہے۔ اکثریت کیسے جیت جاتی ہے۔ یعنی یہ بھی ایک حسین دھوکا ہے۔ اعداد و شمار کا ایک دھوکا ہے۔ اکثریت وکثریت کچھ نہیں ہوتی۔

آپ اپنے گاؤں میں دیکھیں یہ معمولی سا الیکشن جو ہوتا ہے یونین کونسل کا۔ یہ بی ڈی کا اس میں ایک حلقے میں چار آدمی کھڑے ہو جاتے ہیں جو جیتتا ہے اس کے ووٹ جو چار ہارے ہیں ان سے تو کم ہی ہوتے ہیں ان چاروں کے جمع کر کے۔ تو پھر حکومت تو ان کی مانی جائے جس طرف زیادہ آدمی ہیں نہیں مانتے تو یہ سارا ایک دھوکا ہے۔

اسلام میں رائے کا احترام ہے تقویٰ، نیکی، للہیت اور خلوص کے ساتھ۔ پھر اسلام اس بات پر بڑا زور دیتا ہے کہ جہاں للہیت ہو گی خلوص ہو گا۔ وہاں اختلاف رائے نہیں ہو گا۔ ہاں کسی بہتری یا کسی بہتر نتیجے پر پہنچنے کے لیے اگر کوئی آدمی ایک رائے رکھتا ہے تو دوسرا اس بات پر دوسرا پہلو سمجھا دیتا ہے جو اس سے زیادہ موثر ہے تو یہ اور بات ہے اسے ہم اختلاف نہیں کہہ سکتے اصل مقصد تو وہی ہے جس تک پہنچنا ہے اسی کے لیے اگر ایک آدمی نے ایک تجویز دی دوسرے نے اس سے زیادہ موثر دے دی تو یہ اختلاف نہیں ہے اختلاف تو یہ ہے کہ سر بازار ایک دوسرے پہ کیچڑ اچھالا جائے اور ایک دوسرے کو چور بتایا جائے اگر ہم اپنی سیاسی پارٹیوں کی تجویزوں کو لیں تو یہ ایک دوسرے کو اس طرح چور اور غدار بتاتی ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی ملک میں رہنے کے قابل نظر نہیں آتا یعنی جتنے الزامات یہ ایک دوسرے پہ سیاسی لیڈر لگاتے ہیں اگر ان کو دیکھا جائے تو یوں نظر آتا ہے کہ یہ سب جو ہیں یہ تو ملک میں رہنے کے قابل بھی نہیں انہیں ملک سے نکال دینا چاہیئے

اس طرح یہ ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالتے ہیں۔

اسلام میں اس چیز کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا بلکہ اسلام میں یہ ہے کہ حق پر صداقت پر اور اکابرین دور قوم کے متقی پرہیز گار، نیک اہل دل اور ایسے لوگ جن پہ قریب رہنے والے انہیں ذاتی طور پر جاننے والے لوگ اعتماد کرتے ہوں انہیں وہ نیک اور پرہیز گار سمجھتے ہوں جو ان کی عملی زندگی سے واقف ہوں وہ لوگ حق رکھتے ہیں رائے دینے کا۔ اور جس طرف وہ رائے دیں عام آدمیوں کو چاہیئے کہ ان کے پیچھے وہ چلیں۔

اس میں ایک بات اللہ نے یہ بھی بتا دی کہ جہاں خلوص ہو گا وہاں رائے کا مطلب اللہ اور اللہ کے رسول کی خوشنودی ہو گی وہ سارے اس بات پہ راضی ہو جائیں گے جو بات اللہ کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسند ہو گی اور سب سے بڑی بات جو ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل انسانیت کو نصیب ہوئی وہ تھیں

محبتیں اور الفتیں۔

اللہ نے ہر اس دل کو محبت سے لبریز کر دیا جسے کلمہ نصیب ہوا۔ ایمان نصیب ہوا۔ اور یہ بھی ہماری بدبختی ہے اور بے نصیبی ہے کہ آج کے زمانے میں سب سے زیادہ فساد مساجد میں ہوتے ہیں۔ اور سب سے زیادہ برائی گروپوں یا جماعتوں میں ہوتی ہے جو اپنے آپ کو دیندار کہتے ہیں۔ لیکن جو کسوٹی ہے اس پر پرکھا جائے تو سمجھ آتی ہے کہ جہاں دین آتا ہے وہاں محبت آتی ہے ایسی محبت جو صرف مومنین کے لیے نہیں ہوتی بلکہ وہ ہر انسان کے لیے محبت ہوتی ہے ہر انسان کیلئے شفقت ہوتی ہے۔

آپ دیکھتے ہیں صحابہ کرامؓ نے روئے زمین سے ظلم مٹا دیا کافروں پر سے بھی کسی کو جرأت نہیں ہوئی کہ کسی پر ظلم کر سکیں۔ کافر کافر رہ سکتا ہے لیکن کسی دوسرے کافر پر ظلم نہیں کر سکتا کسی کو دین قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا۔ لیکن کسی کے ساتھ زیادتی کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ کفار کے مال کی حفاظت کی گئی۔ آبرو کی حفاظت کی گئی۔ جانوں کی حفاظت کی گئی اس لیے کہ انسانیت کے ساتھ بحیثیت انسان کے محبت فرماتے تھے اور اللہ کی ساری مخلوق پر شفقت فرماتے تھے حتیٰ کہ جانوروں تک سے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حدیث شریف میں موجود ہے کہ کسی اونٹ کو دیکھ کر فرمایا یار اس سے کام تو لیتے ہو لیکن شاید چارہ کم دیتے ہو کہ یہ کمزور ہے کام لیتے ہو تو اسے کھلاؤ پلاؤ۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بیت المقدس کو گئے تو آپ کے ساتھ ایک غلام تھا اور سواری کے لیے ایک اونٹ یا سانڈنی پاس تھی۔ آپ نے فرمایا کہ ایسا کرتے ہیں کہ سفر بانٹ لیتے ہیں مثلاً دو میل یا تین میل ڈھائی میل میں سوار ہوتا ہوں اس کے بعد اتنا سفر تم سواری کر لینا اور اس کے بعد اتنا سفر دونوں پیدل چلیں گے پھر ایسا کریں گے۔ اس نے کہا حضور ایسا کرتے ہیں کہ میں پیدل چلتا ہوں آپ سوار ہو جائیں میں پیچھے بیٹھ جاتا ہوں۔ فرمایا یہ بھی جانور ہے۔ یہ بھی ذی روح ہے۔ اس کا بھی کوئی حق ہے۔ ہم صحت مند ہیں بیمار تو نہیں ہیں کہ ہم اس پر مسلسل بیٹھے رہیں تو تھکاوٹ کا علاج یہ ہے کہ تھوڑی دیر سواری کر لیں، تھوڑی دیر پیدل چل لیں اس کا بھی حق بنتا ہے۔ یہ بھی اللہ کی مخلوق ہے۔

یہ وہ مظاہر تھے اس محبت کے جو بحیثیت انسان انکے دلوں میں رہتے تھے۔ اور ان کی جو جنگ ہوتی تھی وہ بھی سراپا محبت ہوتی تھی۔ یعنی کسی ظالم کو ظلم سے روک دینا بھی اس کے ساتھ شفقت کا ایک برتاؤ ہے محبت ہے اور اس حد تک وہ کرتے تھے کہ ظالم ظلم سے رک جائے کسی کو نیچا دکھانے کے لیے نہیں لڑتے تھے۔ جس طرح آج کی جنگ ہوتی ہے کہ اگلے کو تباہ کرنے کے لیے یا اس کو ذلیل وخوار کرنے کے لیے یا اسے نیچا دکھانے کے لیے لڑا جاتا ہے اسلام میں اس لڑائی کا کوئی تصور نہیں۔ اس لیے اسلام نے جنگ نہیں اسے جہاد قرار دیا ہے۔

جہاد کا معنیٰ ہی ہوتا ہے بہتری کے لیے کوشش کرنا جنگ کا معنیٰ ہوتا ہے دشمن کو مقابل کو تباہ کرنا رسوا کرنا اسے ذلیل کرنا۔

جب عیسائیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کیا تو انہوں نے وہ مظالم کیے کہ تاریخ لرزتی ہے۔ اور کئی دن تک گلیوں میں مسلمانوں کے خون کا کیچڑ رہا تھا۔ بے حساب مسلمان قتل ہوئے تھے۔ کسی کا مال نہیں بچا تھا۔ جو بھاگ گئے تھے وہ بھی بمشکل جان لے کر اور وہ جن کو اللہ نے بچایا حتی الوسع انہوں نے کسی کو بھاگنے نہیں دیا۔ انہی ظالموں سے پھر صلاح الدین ایوبی نے واپس لیا تھا بیت المقدس کو لیکن جس دن مسلمان افواج نے فتح کیا تھا کسی ایک عیسائی کا خون انہوں نے ظلماً نہیں بہایا۔ سب نے کہا یا امیر یہ وہی ظالم ہیں۔ انہوں نے کہا یہ عیسائی تھے انہوں نے جو کچھ کیا وہ ان کا اپنا کردار ہے۔ ہم مسلمان ہیں ہمیں جو کچھ کرنا ہے وہ اپنے دین کے

مطابق اپنے معیار کے مطابق کرنا ہے۔ ہم اس طرح سے نہیں کر سکتے جس طرح سے انہوں نے کیا ہے۔ اور انہوں نے اجازت دے دی ہے کہ جو رہنا چاہتا ہے اس کے ساتھ انصاف کیا جائے گا۔ جو جانا چاہتا ہے وہ اپنا جتنا مال اٹھا سکتا ہے لے جا سکتا ہے۔ یعنی دشمن کے لیے بھی ان کے دل میں شفقت اور محبت موجود تھی اور یہی کمال ہے تعلق نبوی کا اور اللہ کے ساتھ تعلق کا آج جو مساجد میں لڑائیاں ہوتی ہیں یہ مذہبی جماعتیں جو دست و گریبان ہیں ہم جو علماء کو ایک دوسرے کی داڑھی کھینچتے ہوئے دیکھتے ہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مساجد بھی دنیا کمانے کا ذریعہ بن گئی ہیں، دین نہیں رہا۔ کیونکہ دین تو بازاروں میں بھی ہو تو وہاں جنگ ختم ہو جاتی ہے وہاں باہمی محبت آجاتی ہے الفت آجاتی ہے کیونکہ دین ہے ہی اسلام ہے ہی سراپا محبت

اور ہر مومن کے دل میں دوسرے ایماندار کی محبت اول پیدا کر دی۔ اس کے بعد ساری انسانیت کی محبت بھر دی پھر اس کے بعد اللہ کی ساری مخلوق کی محبت بھر دی۔ جانوروں تک سے محبت کرتے ہیں۔ اور کسی دشمن پر بھی ظلم کرنے کا نہیں سوچتے۔ کسی کو ایذا دینے کا نہیں سوچتے کسی کو رسوا کرنے کے لیے نہیں سوچتے۔ کسی کو نیچا دکھانے کے لیے نہیں سوچتے۔ بلکہ جو محنت بھی کرتے ہیں وہ محض اپنی طاقت بڑھانے کے لیے نہیں کرتے بلکہ مخلوق کو اللہ سے ملانے کے لیے کرتے ہیں۔ اور اللہ کے ساتھ جس کا معاملہ درست ہو جائے گا تو وہ خود اس لڑی میں پروتا چلا جائے گا جو اللہ والوں کی ہے جو اللہ کی جماعت ہے۔ جو اللہ کے مخلص بندوں کی ہے ان کے ساتھ اس کا دل از خود ملتا چلا جائے گا۔ وہ اللہ کی طرف سے اس طاقت میں شمار ہوتا چلا جائے گا۔

اور وہ لوگ آپ کی غلامی میں کافی ہے ایمان کے ساتھ جو آپ کا اتباع کرتے ہیں آپ کی اطاعت اختیار کر رہے ہیں آپ کو محض اکثریت کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ ہی اکثریت نہیں چاہیئے۔ محض نعرہ بازی ہو یا محض شور شرابا ہو یا محض ہاؤ ہو ہو ان کی ضرورت نہیں ہے بلکہ آپ کے لیے اللہ کی رحمت کافی ہے۔ اللہ کی تائید کافی ہے یا وہ لوگ جو ایمان کے ساتھ آپ کی اطاعت بھی کریں انہیں آپ کا ساتھ نصیب ہو گا اور آپ کے لیے ان کی غلامی ہی کافی ہے۔ اللہ کریم صحیح سمجھ اور توفیق عمل نصیب فرمائے۔

مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں

—— حدیث ابن عمرؓ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر —— یا آپؐ نے فرمایا —— منافق سات آنتوں میں کھاتا ہے۔

اخرجه البخاري فی: کتاب الاطعمة: باب ۱۲ المومن یأکل فی معًی واحد

—— حدیث ابوہریرہؓ: حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص بہت زیادہ کھایا کرتا تھا پھر وہ مسلمان ہو گیا اور بہت کم کھانے لگا چنانچہ اس بات کا ذکر جب نبی کریم ﷺ کے سامنے کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا: مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں۔

اخرجه البخاري فی: کتاب الاطعمة: باب ۱۲ المومن یأکل فی معًی واحد

نیا اندازِ حکومت

محمد صدیق اعوان

اس وقت اگر انفرادی طور پر کوئی شخص اپنی سخت ذاتی محنت سے جنت حاصل کرلے تو یہ دوسری بات ہے ورنہ اجتماعی طور پر اگر ہم اپنی اور تمام انسانیت کی بھلائی چاہتے ہیں تو ہمیں ایک مکمل اسلامی حکومت قائم کرنا ہوگی۔ جب آپ نے اسلام قبول کر لیا تو پھر ذاتی مرضی اور ذاتی رائے کا سوال کہاں سے پیدا ہوتا ہے۔ اسلام کا مطلب ہے اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کرنا مسلمان کا مطلب اللہ کے تمام احکام کو بلا چون و چرا قبول کرنا تسلیم کرنا اور ایمان کا مطلب ہے پورے یقین کیساتھ اُس کی پناہ میں آنا۔ امن میں آنا۔ اگر آپ تھوڑی دیر کے لیے عہد الست کو یاد کریں تو اس وقت جب اللہ نے ساری کائنات کو پیدا کر لیا اور حتیٰ کہ انسان سے پہلے کیڑے مکوڑے چیونٹیاں پھل پھول بھی پیدا کر دیے گئے تو اس نے فرشتوں سے فرمایا کہ اب میں ایک ایسی مخلوق پیدا کرنے لگا ہوں جو اپنی مرضی سے میری عبادت کرے تو میں اسے سب کچھ دے دوں گا جو میں نے پیدا کیا ہے۔ غرض کہ انسان کو صرف ارادے اور انتخاب کی آزادی دی گئی اور کہا گیا کہ سب کچھ دینے سے پہلے میں تیسرا امتحان لوں گا جو تھوڑا اور مختصر ہوگا مرکزِ امتحان زمین ہوگی۔ زمین میں تمھیں کیا کرنا ہے کیا نہیں کرنا یہ تمام انسانوں کو میرے خاص مقرب بندے اپنی زندگی گذار کر بتائیں گے۔ وہ بندے ہوں گے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ آپ تمام انسانوں نے اپنے اپنے نبیوں کے طریقے پر اپنی زندگی گزارنی ہے اور طوفان نوح کے بعد ہر نبی نے اپنی اُمت سے کہا کہ اللہ کا دین آخری نبی کے دور میں مکمل ہوگا۔ جو پڑھا لکھا نہ ہوگا۔ اور اس پر اللہ کی آخری کتاب اترے گی۔ اس لیے تم میں سے جو بھی اس نبی کو اپنے زمانے میں پائے اس پر ایمان لے آئے چنانچہ آج کے دور میں ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پوری انسانیت کے لیے نبی ہیں اور قرآن پوری انسانیت کے لیے ہدایت ہے ایک مکمل نظام حیات قرآن پاک میں موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باقی تمام آسمانی کتابیں منسوخ ہو چکی ہیں۔ قرآن پاک کی حفاظت کا ذمہ اللہ پاک نے خود اپنے ذمے لے لیا ہے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو ہمارا دشمن صرف ہمارا نفس اور شیطان ہے۔ یعنی گمراہی کے لیے صرف دو دشمن۔ اور ہماری حفاظت

کے لیے عقل، آنکھیں جسم کے تمام اعضاء۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ قرآن پاک اور اسوۂ حسنہ مبارک۔ حیات صحابہ اور دیگر کتنے عوامل ہیں، ہم وہ مسلمان ہیں، جن کے ذمے نبیوں کا کام سونپا گیا تھا ہم نے نہ صرف اپنی زندگی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک طریقے پر گزارنا تھی بلکہ پوری انسانیت کی رہنمائی بھی بھی مسلمانوں نے کرنی تھی۔ ہم نے اپنے پیارے نبی کے مبارک طریقوں کو چھوڑ کر کافر اور مشرک قوموں کے طریقوں کو اپنایا ہم نے اپنا بہترین آئین بہترین دستور، بہترین قوانین، بہترین نظام حیات کو گھر کی الماریوں اور مسجدوں میں ڈال کر کافروں اور مشرکوں کے نظام حیات پر اپنا نظام حکومت بنایا اور قرآن پاک کو فرسودہ نظام سمجھ کر جمہوریت اور سوشلزم اور کمیونزم کا نعرہ لگایا۔ اس سے نہ صرف ہم مسلمان خود گمراہ ہوئے بلکہ اس وقت جتنی انسانیت گمراہ ہے اس پوری انسانیت کی گمراہی کی ذمہ دار مسلمان اقوام ہیں، کیونکہ تبلیغ، تقریر دل سے نہیں ہوتی۔ اگر تبلیغ تقریروں سے ہوتی تو آج دنیا میں کوئی کافر نہ ہوتا۔ بلکہ تمام مسلمان ہو چکے ہوتے۔ لیکن تبلیغ تو مومن کے کردار سے ہوتی ہے۔ اور وہ مومن ایسا ہوتا ہے کہ بیک وقت اس کے تعلقات اپنے بچوں سے، بیوی سے، ماں باپ سے، بہن بھائیوں سے عزیزوں، دوستوں سے اپنی حیثیت میں برابر ہوتے ہیں بلکہ اس کے کاروبار میں ملازمت نوکری وغیرہ میں بھی وہ ایک مثالی انسان ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے تعلقات اللہ اور رسول سے بھی مکمل طور پر ہوتے ہیں۔ مومن کے کردار کو کافر اور مشرک دیکھ کر مسلمان ہوتے ہیں۔ اس کی شکل اور تقریر سے مسلمان نہیں بنتے۔ یہ دنیا دار امتحان ہے۔ یہاں انسان جو کچھ کرے کوئی پوچھ گچھ کسی سے نہیں ہے۔ کافر اور مشرک کتنے گناہ کریں اُن کو اس دنیا میں کوئی پکڑ نہیں ہے۔ البتہ مسلمان اگر اللہ کے نظام سے بغاوت کریں۔ اُن کی پکڑ یا عذاب اس دنیا سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔

آج ہم میں زیادہ تر لوگ گمراہ ہیں۔ یا دین سے نا آشنا ہیں تو اس کے ذمہ دار ہمارے علمائے دین ہیں۔ کیونکہ علماء دین بے شک مخلصانہ طور پر ہی سہی غلبہ دین کے لیے محنت کرتے ہیں لیکن ہر عالم دین دوسرے عالم دین پر کفر کے فتوے لگاتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ فلاں کے پیچھے نماز نہ پڑھنا وہ کافر ہے اور دوسرا اس پر اس سے بھی بڑا فتویٰ لگاتا ہے اور عوام بے چارے یہ فیصلہ ہونے تک کہ کون کافر ہے کون مومن ہے۔ کا انتظار سینما ہال میں جا کر کرتے ہیں کہتے ہیں۔ بھائی یہ درست ہے کہ مسجد میں جانا ہے لیکن کس مسجد میں جائیں کس کے پیچھے نماز پڑھیں مولویوں میں یہ فیصلہ تو ہو لینے دو۔ نہ کبھی فیصلہ ہوا۔ نہ کبھی عوام نے مسجد کا رخ کیا۔ میں آپ سب عوام سے یہ سوال کرتا ہوں کہ کیا یہ علماء دین قیامت کے دن آپ کے حساب کے ذمہ دار ہوں گے؟ اس دن تو ہر ایک کو اپنا اپنا حساب اللہ کے سامنے خود دینا ہوگا۔ پھر جب حساب ہر ایک نے اپنا اپنا خود دینا ہے۔ تو دین میں صرف علماء پر کیوں چھوڑتے ہیں۔ آپ کا اپنا فرض بھی تو دین پر عمل کرنا ہے اور سیکھنا ہے۔ آیئے ہر عالم دین، ہر سیاست دان ہر عام انسان صرف ایک شخص کو اپنا لیڈر اور رہنما بنا لے اور وہ سب سے پیاری ہستی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قائدِ اعظم کا فرقہ، لیاقت علی کا فرقہ، ایوب خاں کا فرقہ، بھٹو کا فرقہ، ضیاء کا فرقہ، دیوبندی فرقہ، بریلوی فرقہ، غرض تمام فرقے خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔ اگر ہم اپنا لیڈر رہنما اپنا نبی اپنا سیاستدان اپنا مذہبی پیشوا اپنا امام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بنا لیں تو سارے جھگڑے ساری لڑائیاں ختم ہو سکتی ہیں۔ کون غلط ہے کون ٹھیک ہے اس کا فیصلہ اللہ پر چھوڑتے ہیں۔ اور ہم سب جن کے بنیادی عقائد میں فرق نہیں ہے اُن پر کفر کے فتوے نہ لگانے کا عہد کریں۔ اور کتاب (قرآن) اور سنت کو اپنا آئین اور دستور بنائیں۔ اور اللہ کو اپنا حاکم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رہبر بنا کر مل کر آگے چلتے ہیں پھر دیکھتے ہیں کہ ہم اپنی دنیا اور آخرت سدھارنے میں کامیاب ہوتے ہیں یا نہیں؟ انشاء اللہ ضرور ہوں گے۔ تمام علماء کرام نفاذ دین میں مخلص ہو جائیں اور اس بات کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیں کہ نفاذ دین اُن کے طریقے یا مسلک کے مطابق ہو۔ بلکہ ہم پہلی بنیاد قرآن پاک کو رکھیں۔ دوسرے نمبر سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رکھیں اور تیسرے نمبر پر خلافت راشدہ کا دور اور اصحابہ کرام رضوان اللہ واجمعین کے دور اور طریقوں کو رکھیں تمام فقہی مسائل جو جس طرح

چاہیں حل کر لیں۔ ایک دوسرے کے فقہی مسئلے میں کوئی مداخلت نہ کریں۔ ہاں جو بات قرآن اور سنت کے خلاف ہو اس کی مخالفت کرنا سب کا فرض ہے۔ یا جو لوگ بنیادی عقائد میں اختلاف رکھتے ہیں۔ اُن سے دین کے مسئلے میں صلح کرنا ناممکن ہے البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے فرقے کے لیے جو چاہیں کریں۔ اُن کا مسئلہ اللہ کے سپرد کر دیا جائے اور تمام صاحبِ ایمان سچے دلوں سے مخلص نیتوں سے مکمل خلوص اور محنت کے ساتھ غلبہ دین حاصل کرنے کے لیے محنت شروع کریں۔ اور محنت کی بنیاد اس چیز پر ہو کہ کوئی شخص ہم میں سے اپنا نام اپنی شہرت حاصل کرنے کی کوشش یا آرزو نہیں کریگا۔ ہم ناپاک پانی سے پیدا ہوئے ہیں اور خاک میں مل جانے والے ہیں۔ ہم تو صرف اللہ کی عبادت اور اُس کے نام کے بول بالے کے لیے اس دنیا میں آئے ہیں۔ ہمارا نام کیسا ہماری شہرت کیسی ؟ اگر ہم نے اپنے نام اور اپنی شہرت کی آرزو کی تو کیا ہمیں جنت مل جائے گی ؟ ہم تو جنت کے مستحق صرف اس صورت میں ہو سکتے ہیں کہ دوسروں کی خیر خواہی چاہیں۔ خالص نیت کے ساتھ ہر اچھا کام اور عمل و خدمت اور عبادت بے لوث کریں۔

فوری حل

فوری حل یہ ہے کہ ہم حاکم وقت اور مجلس شوریٰ (اسمبلی) کو مسجد میں لائیں ظاہر ہے کہ موجودہ اسمبلی کے ممبران تو مسجدوں میں آکر نہیں بیٹھیں گے کیونکہ انہوں نے تو لاکھوں روپیہ خرچ کر کے انتخاب جیتا ہے اور جب تک وہ کروڑوں کما نہ لیں ان کا انتقام کیسے ختم ہوگا۔ مجلس شوریٰ کے ممبر کی اسلام میں مندرجہ ذیل خصوصیات ہوتی ہیں جو موجودہ دور کے تقاضوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے لکھی گئی ہیں۔

(۱) وہ پانچ وقت کا نمازی ہوتا ہے اور اپنی حیثیت میں تمام ارکان دین پر عمل کرتا ہے۔ کوئی فرض۔ واجب اور سنت عمل کو چھوڑتا نہیں۔

(۲) وہ قول و فعل۔ وعدہ اور معاملات سیرت و کردار کا سچا اور پکا انسان ہوتا ہے اس کی سیرت اور کردار اس کے گھر والے پڑوسی اور جہاں وہ کاروبار یا ملازمت کرتا ہے ان سے معلوم ہوتی ہے اور تمام لوگ اس پر تنقید نہیں کرتے بلکہ اس کی تعریف کرتے ہیں۔

(۳) وہ تعلیمی معیار میں مندرجہ ذیل میں کسی ایک علم میں ضرور ماہر ہوتا ہے

(الف) وہ حافظ قرآن یا مفسر قرآن ہوتا ہے یا

(ب) وہ ماہر علم شریعت، حدیث اور ماہر علم فقہ ہوتا ہے یا

(ج) وہ موجودہ علوم (دنیاوی علوم) میں کسی ایک میں (P.H.D) ڈاکٹریٹ کی ڈگری رکھتا ہے۔ جیسے معاشیات، سیاسیات تاریخ، جغرافیہ، نفسیات، ریاضی، جدید ٹیکنالوجی کے مختلف علوم میں کم از کم B.S.c یا P-H-D یا میڈیکل سائنس میں کسی ایک میں اسپیشلسٹ ہوتا ہے، حتیٰ کہ موجودہ سیاستدانوں میں خواہ وہ کسی بھی سیاسی پارٹی سے یا سرکاری ملازمت یا تجارتی ادارے سے تعلق رکھتا ہو۔ اور اگر اس میں پہلی دو خصوصیات پائی جاتی ہوں تو وہ مجلس شوریٰ کا ممبر بن سکتا ہے۔

(۴) آخری بات یہ ہوتی ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اپنے آپ کو کسی عہدے کے لیے کبھی بھی پیش نہیں کرتا۔ بلکہ اس علاقے کے لوگ اس کی پرہیز گاری اور تقویٰ۔ اس کی سیرت و کردار، اس کی علمی قابلیت اور اخلاق دیکھ کر اس کو مجلس شوریٰ کا ممبر ہونے کے لیے پیش کرتے ہیں۔ اور اس شخص کو بغیر کسی پس و پیش کے قوم اور دین کی خدمت کے لیے پیش کش کو قبول کرنا ہوتا ہے۔

کیوں نہ ہم سب پاکستانی عوام بھی ایسا کریں کہ مندرجہ بالا خصوصیات رکھنے والے تمام افراد کو تلاش کریں۔ اور جہاں جہاں سے ہمیں ایسے افراد ملیں ہم انہیں چنتے جائیں۔ ایسے افراد اس وقت خواہ کسی دینی جماعت میں ہوں یا سیاسی جماعت میں ہوں کوئی فوجی ملازم ہو یا پولیس میں ہو۔ کوئی سرکاری ملازم ہو یا کسی پرائیویٹ ادارے میں کام کرتا ہو۔ جج ہو یا وکیل ہو۔ تاجر ہو یا مزدور ہو۔ ڈاکٹر ہو یا انجینئر ہو۔ سائنس دان ہو یا فلاسفر ہو۔ صحافی ہو یا مصنف ہو۔ عالم دین ہو یا مسجد کا امام ہو۔ سیاسی لیڈر ہو یا وزیر یا سفیر ہو۔ غرض کہیں سے کوئی بھی اچھا انسان اگر مندرجہ بالا خصوصیات کا حامل ہو۔ تو اس کو فوری طور پر چُن لیا جائے۔ موجودہ دور میں اعلیٰ افراد کی قلت ہے اور اسلام نافذ کرنے والے لازم اچھے اور مندرجہ بالا خصوصیات کے حامل افراد ہونے ضروری ہیں۔

اس طرح ملک سے جتنے بھی مندرجہ بالا خصوصیات کے حامل افراد ملیں۔ ۴ ماہ تک اِن تمام افراد کو ایسے کیمپ میں رکھا جائے۔ جہاں وہ مندرجہ ذیل طرح کے کام ایک ساتھ کریں۔

(۱) تمام افراد پانچوں وقت کی نماز ایک امام کے پیچھے جماعت کے ساتھ ادا کریں اور مختلف علماءِ دین مختلف اوقات میں امامت کریں۔

(۲) تمام افراد ایک ساتھ روزانہ نمازِ تہجد ادا کریں۔

(۳) تمام افراد روزانہ ایک گھنٹہ صبح اور ایک گھنٹہ شام مل کر اللہ کا ذکر کریں۔ ذکر اللہ مختلف طریقوں سے کیا جاتا ہے کچھ ذکر جہر کرتے ہیں۔ کچھ ذکر خفی کرتے ہیں کچھ تسبیحات کرتے ہیں۔ جو جو جس جس طریقے کو پسند کرتے ہوں اسی طریقے وہ ذکر اللہ کریں۔ لیکن ہر شخص کے لیے ایک گھنٹہ صبح اور ایک گھنٹہ شام لازم ذکر کا وقت مقرر ہوگا اور سارے افراد مختلف گروپوں میں ایک مقام پر بیٹھ کر اپنے اپنے مسلک کا ذکر اللہ کریں۔ ذکر اللہ اور تہجد نماز اس لیے لازم کی جاتی ہے کہ یہ کیمپ میں شامل ہونے والے افراد کا شدید ترین امتحان ہوگا۔ ان میں جو مخلص لوگ ہوں گے وہ کیمپ میں رہ جائیں گے اور جو کمزور ہوں گے وہ بھاگ جائیں گے۔

(۴) کیمپ کمانڈر یا امیر ایک ضابطہ اخلاق بنائے گا جس کی سب کو پابندی کرنا ہوگی۔

(۵) ہر شخص کیمپ میں شامل ہونے کے بعد اپنا BIODATA دے گا۔ جس میں اس کی تعلیمی قابلیت اس کی زندگی کے مختصر حالات۔ اس کا ذریعہ معاش اثاثے اور اس کا پسندیدہ نظریہ حیات درج ہوگا۔ اور اُس BIODATA کی فوٹو کاپی کرکے ہر شخص کو دی جائے گی تاکہ کیمپ میں شامل ہونے والے تمام افراد ایک دوسرے کے بارے میں اچھی طرح جان سکیں اس میں یہ بھی لکھنا ہوگا کہ اس نے کون کون سی کتب کا مطالعہ کیا ہے۔

(۶) کیمپ میں شامل ہونے والے علماءِ دین اور دانشور اپنی اپنی باری پر تمام افراد سے خطاب کریں گے تاکہ ہر دانشور اپنا نظریہ دوسروں پر واضح کرسکے۔ تاکہ آگے چل کر امیر کا انتخاب کرنے میں آسانی ہو۔

(۷) کیمپ چونکہ عرصہ چار ماہ (۴) تک لگایا جائے۔ اس لیے کیمپ میں شامل افراد سب مل کر ایک ساتھ کھانا کھایا کریں اور اس طرح ایک دوسرے کو قریب سے دیکھیں اور سمجھ سکیں۔

آخری ہفتہ

آخری ہفتے میں ایک امیر کا انتخاب اور دس گیارہ نائب امیروں کا انتخاب کیا جائے۔ انتخاب کا طریقہ کار یہ ہو کہ کوئی شخص اپنے آپ کو کسی عہدے کے لیے نہیں پیش کرے نہ خفیہ طور پر اپنے گروپ بنائے جو شخص بھی ایسا کرے اس کو کیمپ سے نکال دیا جائے اور ہر شخص ایک کاغذ پر لکھ کر خفیہ طور پر ووٹ یا رائے دے "کہ میری رائے میں فلاں شخص جماعت کا امیر ہونا چاہیئے" اور اس طرح دیگر نائب امیروں کا انتخاب کیا جائے۔ زیادہ نائب امیروں کا انتخاب اس لیے ضروری ہے کہ کبھی قیادت کا بحران نہ پیدا ہو۔

اس طرح کیمپ میں مسلسل ۴ ماہ تک شامل ہونے والے تمام افراد مجلس شوریٰ کے ممبر بن جائیں گے۔ سوائے اُن افراد کے جو ضابطہ اخلاق کی پابندی نہ کریں یا دوران کیمپ اس کی کوئی تخریبی سرگرمی ظاہر ہو۔ مثلاً ایک شخص اگر جماعت سے نماز نہ پڑھتا ہو۔ یا تہجد کو نہ اُٹھتا ہو۔ یا ذکر اللہ نہ کرتا ہو وہ مجلس شوریٰ کا ممبر نہیں بن سکے گا۔ اور جو مندرجہ بالا شرائط کے تحت ۴ ماہ کیمپ میں گزار جائیں وہ سارے کے سارے مجلس شوریٰ کے ممبر بن جائیں گے۔ اور آگے چل کر ان میں سے بعض لوگ مجلس شوریٰ کے ممبر رہیں اور بعض مختلف عہدوں پر فائز کیے جائیں۔

اگلا اقدام

اب حکومتِ وقت کا فرض ہوگا۔ فوج کا فرض ہوگا۔ عوام کا فرض ہوگا کہ اقتدارِ اعلیٰ بغیر کسی رکاوٹ کے اِن افراد کے حوالے کردیا جائے اس طرح خلافت قائم ہوجائے گی۔ اور نئی حکومت خلیفہ اور مجلس شوریٰ کے ساتھ اسلام آباد کی شاہ فیصل مسجد میں بیٹھے گی۔ ان کے لیے کوئی پارلیمنٹ ہاؤس نہیں ہوگا۔ کوئی شاہی محل نہیں ہوگا۔ کروڑوں اربوں روپیہ انتخاب پر خرچ نہیں ہوگا۔ بالکل خلافت راشدہ کے نظام پر اسلامی حکومت قائم کی جائے گی۔ خلیفہ مسجد میں بیٹھے گا۔ مجلس شوریٰ مسجد میں بیٹھے گی۔ خلیفہ اپنے تمام وزیر، گورنر، جج سیکرٹری، سفیر اور دیگر تمام اعلیٰ عہدے دار مجلس شوریٰ سے

لے گا۔ اور تمام عہدے داروں سے وہی حلف لیا جائے گا جو خلفائے راشدین کے دور میں لیا جاتا تھا۔ ہر عہدے دار اپنے اپنے علاقے کی مرکزی مسجدوں میں روزانہ نماز پڑھے گا اور عوام کی شکایات مسجد میں سن کر مسجد میں ہی فیصلے کرے گا حکم جاری کرے گا۔ اسی طرح مرکز میں خلیفہ وقت روزانہ کم از کم دو گھنٹے عوام کی شکایات اسلام آباد کی مرکزی مسجد میں بیٹھ کر سنے گا۔ فیصلے کرے گا حکم جاری کرے گا۔ اور یہ کارروائی روزانہ ٹی۔وی پر دکھائی جائے گی ہر خاص و عام شہری کو خلیفہ سے ملنے کی اجازت ہو گی۔ صرف مسجد میں کوئی اسلحہ لے کر نہیں جا سکے گا اس طرح ایک مکمل اسلامی نظام کی بنیاد ڈالی جائے گی اور یہ نظام جمہوریت اور سوشلزم سے ہزاروں گنا بہتر ین نظام ہے کیونکہ اوپر کے تمام لوگ پڑھے لکھے اپنے اپنے شعبے میں ماہر اعلیٰ اخلاق اعلیٰ کردار اور سیرت کے مالک ہوں گے اس لیے یہ لوگ اپنی زندگی مکمل اسلامی طریقے پر خود گزاریں گے جو بہت سیدھی سادہ زندگی ہو گی اور نہ صرف ان کی دیکھا دیکھی دوسرے لوگ ایسا کریں گے بلکہ غیر قومیں بھی ہمارے حقیقی اسلامی نظام سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرنے لگیں گے۔ اس لیے ہم عوام سے اپیل کرتے ہیں کہ لوگو! اگر آپ اپنی عاقبت سدھارنا چاہتے ہو اس معاشرے میں امن انصاف اور معاشی خوشحالی چاہتے ہو تو حاکمِ وقت اور مجلس شوریٰ کو مسجد میں لاؤ تمہیں سب کچھ مل جائے گا۔ اور اللہ کے پاس سرخرو ہو کر جاؤ گے۔

ہمیں اپنے اللہ پر مکمل یقین ہے۔ اگر اس طرح کا پروگرام بنا لیا گیا اور اسلام کے خلاف والی طاقتیں اگر مخالفت کریں۔ لیکن صرف تمام علمائے دین اس نئی جماعت کی حمایت کریں اور اگر موجودہ حکومت اس طرح اس نئی جماعت کو اقتدار نہ بھی منتقل کرے اور تمام سیاسی جماعتیں مل کر ایک سیاسی جماعت بنا لیں اور الیکشن ہو تو انشاء اللہ العزیز یہ نئی جماعت مکمل اور واضح اکثریت سے انتخاب بھی جیت جائے گی۔ کیونکہ عوام کو پتہ ہے مسجد میں بیٹھ کر حکومت کرنے والے لوگ یقیناً اللہ سے ڈرتے ہوں گے اور اللہ سے ڈرنے والے لوگ بددیانت نہیں ہو سکتے۔ یقیناً وہ اپنی تجوریاں بھرنے کی بجائے عوام کا پیسہ عوام پر خرچ کریں گے اور معاشرے میں انشاء اللہ مکمل انصاف قائم ہو گا۔

آخر میں تمام علمائے دین اور اسلامی جماعتوں سے اپیل ہے کہ ایسے افراد اکٹھے کرنے کا ذمہ لیں۔ اس طرح کا کیمپ لگانے کا ذمہ لیں۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو گا۔

Phone: 525736

WAHID JEWELLERS

FOR

QUALITY GOLD JEWELLERY

4, SAIGAL MARKET,
ZAIBUNNISA STREET,
SADDAR, KARACHI.

علم الغیب

حضرت مولانا محمد اکرم

دنیا میں مذاہب باطلہ نے مذہبی پیشوائیت پر طرح طرح کے غلاف چڑھا دیئے ہیں اور سوائے اس کے کہ ان کے پاس کچھ نہیں تھا وہ دنیا کی بعض چیزوں کو مذہبی عبادات کے ساتھ یا مذہبی عقائد کے ساتھ یا بعض ان فرضی خداؤں اور ان بتوں یا دیوی دیوتاؤں کے ساتھ ان کو وابستہ کر دیتے جن کے نام پر انہوں نے مذاہب کو رواج دیا تھا اس طرح سے ہر باطل مذہب وجود میں آیا اور یہ چیز اتنی عام ہوئی کہ انسانوں میں مذہبی پیشوائیت کے لیے یہ بات رواج پا گئی کہ ہر مذہبی پیشوا جو ہوگا۔ دنیا کا مال و دولت دینے پر قادر ہونا چاہیئے وہ لوگوں کو اولاد دے سکے وہ لوگوں کی بیماریاں دور کر سکے وہ لوگوں کی ضروریات پوری کر سکے وہ لوگوں کی تکالیف دور کر سکے۔ جب اس طرح کے کام اس سے لیتے ہیں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ علوم غیبیہ میں درک رکھتا ہو اور غیبی طور پر لوگوں کے حالات سے واقف ہو تب ہی وہ غائبانہ امداد کر سکتا ہے۔

اب ان دو کاموں کے ساتھ تیسری بات ایک اور ضروری ہو جاتی ہے کہ یہ کام عام انسانی بس سے باہر ہے کیونکہ ہر شخص انسان تو ہے اور ہر شخص میں انسانی قوتیں موجود ہیں کسی نہ کسی حد تک وہ جان سکتا ہے کہ انسان کیا کچھ کر سکتا ہے اور کیا کرنا انسان کے لیے محال ہے اس لیے ان مذہبی پیشواؤں اور دیوی دیوتاؤں کے لیے انسان سے بالاتر مخلوق ہونے کا ایک تصور پیش کیا گیا کہ یہ عام انسان نہیں ہے یہ عام انسانوں سے بالاتر کوئی مخلوق ہے۔

جب کبھی انبیاء مبعوث ہوتے ہیں تو وہاں کفر اور باطل اپنی پوری طاقت سے چھایا ہوا ہوتا ہے اس کا زور توڑنے کے لیے اس کا مقابلہ کرنے کے لیے اس کی ظلمت کو مٹا کر

وہاں نور توحید اور بندوں کو اللہ سے آشنا کرنے کے لیے یہ ہستیاں مبعوث ہوتی ہیں لیکن لوگوں کے دلوں میں وہ گمان ہوتا ہے کہ شاید جنہیں ہم پوج رہے تھے جنہیں ہم پکارتے تھے وہ غلط تھے ان کی جگہ یہ کوئی صحیح آدمی آگیا ہے تو اللہ کریم نے منصب نبوت کی تعریف فرما کر یہ وضاحت کر دی کہ نبی کی حیثیت کیا ہے اس کا اصل منصب کیا ہے اور فرائض کیا ہوتے ہیں۔

فرمایا سب سے پہلی بات لوگوں سے کہہ دیجئے کہ قُل لَّآ أَقُولُ لَكُمْ عِندِى خَزَآئِنُ ٱللَّهِ اے میرے حبیب آپ یہ اعلان کر دیجئے کہ میرا دعویٰ ہرگز نہیں ہے کہ اللہ کے خزانے میرے ذاتی تصرف میں ہیں کہ جسے جو کچھ لینا ہے اسے اللہ ہی سے لینا ہے اللہ کے خزانے اللہ ہی کے ذاتی تصرف میں ہیں میرے تصرف میں نہیں ہیں۔ دوسری بات انہیں یہ بھی کہہ دیجئے وَلَآ أَعْلَمُ ٱلْغَيْبَ اور میں علم غیب نہیں جانتا۔ تیسری بات بھی انہیں بتا دیجئے وَلَآ أَقُولُ لَكُمْ إِنِّى مَلَكٌ ہ اور میں یہ بھی نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں انسان نہیں ہوں یعنی یہ تینوں مفروضے جو مذہبی پیشوائیت کے لیے یا مذہبی سربراہی کے لیے گھڑ لیے گئے ان تینوں کا حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے رد فرمایا اللہ کے حکم سے۔

اب یہ اور بات ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد کرنے سے اگر کسی کو ساری دنیا کی سلطنت مل جائے یہ اللہ کا انعام ہے حضور کی غلامی میں اگر دنیا کے خزانے ملیں تو یہ اللہ کی عطا ہے لیکن یہ شرط اطاعت ہرگز نہیں ہوگی کہ حضور مجھے دولت ملے تو میں ایمان لاتا ہوں۔ اور اگر خدا نخواستہ دولت نہ ملے اور بھوک آئے تو ہم ایمان نہیں لاتے اگر کوئی ایسا ایمان لائے گا تو اللہ کے نزدیک اس کا ایمان قبول ہی نہیں ہوگا یعنی اس سے مراد یہ ہے کہ آپ اس شرط پر مسلمان بے شک نہ ہوں کہ جناب ہم ایمان تو لاتے ہیں کہ ہمیں دولت ملے نوکری ملے پیسہ ملے تو ہم مسلمان ہو جائیں گے اور اگر دولت نہیں ملتی پیسہ نہیں ملتا ہماری فصلیں زیادہ نہیں پکتیں ہمارے درختوں پہ زیادہ پھل نہیں آتے یا ہماری صحت ٹھیک نہیں ہوتی ہماری بیماریاں ٹھیک نہیں ہوتیں ہماری اولاد نہیں ہوتی ہر چیز کے خزانے اللہ کے پاس ہیں

حضور فرماتے ہیں وہ خزانے اللہ ہی کے پاس ہیں ان پر اس کا ذاتی تصرف ہے وہ جسے چاہے جب چاہے جتنا چاہے اور جب چاہے دیں اس کا اپنا کام ہے اب یہ کبھی شرط نہیں لگائی جا سکتی یہ عین ممکن ہے کہ ایک شخص بحالت کفر امیر ہو اور وہ مومن ہو اور غریب ہو جائے کوئی شرط نہیں لگا سکتا کہ ایمان لا کر میری دولت بڑھ جائے گی ایک شخص بحالت کفر صحت مند ہو۔ ہوسکتا ہے کہ ایمان لانے کے بعد اس کی صحت وہ نہ رہے ایک شخص بڑا نیک ہو اس کی صحت درست نہ ہو۔ ایک شخص بڑا دیندار ہو لیکن اس کی اولاد نہ ہو یا اس کی اولاد فوت ہو جائے یا اس کا مالی نقصان ہو جائے یا ممکن ہے دنیا میں اس کے پاس گھر نام کی کوئی چیز ہی نہ ہو چونکہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میرا یہ دعویٰ ہی نہیں ہے کہ تم اس لیے مجھے مانو کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں مجھے مانو گے تو میں خزانوں کا منہ کھول دوں گا یہ بات نہیں ہے۔

تو پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں لوگوں کو دنیا کی سلطنت ملی یہ تاریخ کا ایک حصہ ہے عرب کے صحرا کے وہ لوگ جو خانہ جنگیوں میں مصروف رہتے تھے کسی شمار قطار میں نہیں تھے وہ روئے زمین کے حکمران قرار پائے تو فرمایا یہ اللہ کی عطا ہے وہ اس حال میں بھی گزرے کہ ان کے پاس جو کچے جھونپڑے تھے وہ لوگوں نے چھین لیے اور انہیں مکے سے ہجرت کر کے نکلنا پڑا ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ تو کیا اس حال میں انہوں نے ایمان چھوڑ دیا تھا کیا یہ ان کے ایمان کی شرط تھی کہ دولت ہوگی تو ایمان لائیں گے یہ شرط نہیں تھی کیا ان میں سے بیمار کوئی نہیں ہوا کیا ان میں سے شہید کوئی نہیں ہوا۔ کیا انہوں نے تکلیفیں نہیں اٹھائیں۔

فرمایا یہ اللہ کا کام ہے میرا اس میں ذاتی دخل کوئی نہیں ہے ذاتی تصرف جو ہے یہ اللہ کریم کا اپنا ہے

اسی طرح سے علم غیب کی بحث بھی عجیب ہے علوم جتنے بھی ہیں ان میں کچھ تو ایسے ہیں جو ہر آدمی سیکھ سکتا ہے جان سکتا ہے انسانی علوم ہیں جو کسی بھی سکول سے سیکھے جا سکتے

ہیں بعض وقتی علوم ہیں جنہیں ہر آدمی نہیں سیکھتا جیسے نجوم کا علم ہے عملیات کا علم ہے اسی طرح سے بعض علوم ہیں جیسے دست شناسی، کہانت وغیرہ ۔ بعض لوگ بڑی محنت کر کے عمریں صرف کر کے اس فن کے جو بڑے ماہر لوگ ہوتے ہیں ان کے پاس بیٹھ کر سیکھتے ہیں ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی انہیں آپ مخفی علوم تو کہہ سکتے ہیں لیکن انہیں آپ علم غیب نہیں کہہ سکتے۔

اس لیے کہ ہر علم کے سیکھنے کا کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے کوئی نہ کوئی اس کے جاننے کا ذریعہ ہوتا ہے جو بات کسی ذریعہ سے جانی جائے وہ علم غیب نہیں رہتی آپ ایک بات سے واقف نہیں آپ کو ایک چھٹی آتی ہے چھٹی پڑھ کر آپ جان جاتے ہیں تو کیا آپ غیب دان ہو گئے ایک ٹیلیفون سنتا ہے آدمی بات سمجھ جاتا ہے تو علم غیب تو نہ رہا لوگ انہیں غیب شمار کر لیتے ہیں اس لیے کہ وہ لوگ نہیں جان رہے ہوتے اور وہ سمجھتے ہیں کہ جو بات ہم نہیں سمجھ رہے یا شاید یہ غیب کا علم جانتے ہیں۔ حقیقتاً وہ غیب کا علم نہیں ہوتا بلکہ وہ بعض ذرائع سے حاصل کیا ہوا علم ہوتا ہے جس طرح ہم ایک نصاب کی کتاب پڑھ لیتے ہیں اسی طرح اس فن کی بعض کتابیں ہوتی ہیں بعض مشقیں ہوتی ہیں بعض طریقے ہوتے ہیں ۔

پھر بعض علوم ایسے ہیں مثلاً کہانت وغیرہ جو محض شیطانی طاقتوں سے ہے شیطان کی پوجا کرتے ہیں اس کی اطاعت کرتے ہیں ۔ اِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِھِمْ جو لوگ شیطان میں اپنے آپ کو فنا کر دیتے ہیں قرآن کریم فرماتا ہے شیاطین ان سے باتیں کرتے ہیں اور یہ ساری دنیا میں پھرتے رہتے ہیں ۔ تو جھوٹ ایک آدھ اس میں سچ بھی ملا دیتے ہیں کوئی وہاں کی بات بتا دی کوئی یہاں کی بات بتا دی تو وہ آدمی یہاں بیٹھ کر آپ کو بات لاہور کی بتا دیتا ہے کبھی پشاور کی بتا دیتا ہے یا کسی آنے والے کا نام بتا دیتا ہے تو یہ کوئی بڑی بات نہیں یہ کوئی بڑی عجیب بات نہیں ہے اس میں کیا عجیب بات ہے آنے والے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ہیں گھر سے چلا اس نے یہاں بتا دیا تم وہاں گئے تھے یہ تمہارا نام ہے لیکن اس سب کا تعلق نبوت سے نہیں ہے یہ تو کوئی شیطان اسے آ کر بتا دے ان میں بعض علوم ایسے ہیں جن کا تعلق نہ شیطان سے ہے اور نہ اسلام سے ہے بلکہ کوئی مومن بھی سیکھ سکتا ہے ۔

مثلاً طب ہے کہ طبیب آپ کی نبض پہ ہاتھ رکھتا ہے وجود آپ کا ہے لیکن ایک ایک بات وہ بتاتا چلا جاتا ہے آپ چند قطرے پیشاب کی شیشی میں رکھتے ہیں طبیب اس کی رنگت دیکھ کر کہتا ہے اس کو فلاں تکلیف ہے یہ فلاں تکلیف ہے آج کل تو وہ رہے نہیں ہم نے تو وہ زمانہ دیکھا ہے کہ اس طرح سے ترتیب وار وہ بیماری کی حالت بتاتے تھے کہ آدمی یا مریض کو سمجھ آتی تھی یا طبیب کو سمجھ آتی تھی ۔ حیرت ہوتی تھی کہ اسے تفصیل سے ان کو کس طرح علم ہو گیا ۔ تو یہ ایک فن ہے جسے وہ باقاعدہ حاصل کرتے تھے

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے جو علوم ہیں وہ اس سے بہت بالاتر ہیں کاہن ہو یا نجومی ہو یا طبیب ہو یا کوئی علم شیطانی ہو یا عام فن ہو ان کی حد یہ ہے کہ وہ کائنات کی حدود کے اندر ہیں نہ وہ برزخ میں جھانک سکتے ہیں نہ بالائے آسمان دیکھ سکتے ہیں وہاں تک ان کی رسائی ہوتی ہے جہاں تک آپ کے اگر آپ کے پاس ذرائع ہوں تو آپ کی رسائی بھی ہو سکے گی ۔ جیسے آپ دوربین سے دیکھ سکتے ہیں تو کوئی ایسا شخص جو یوگا وغیرہ کی ورزش کرتا ہو وہ شاید دور تک دیکھ سکے لیکن وہ آسمان کے اوپر نہیں دیکھ سکتا کہ یہ صرف انبیاء کا موضوع ہے یعنی وہ برزخ کی یا عالم بالا کی خبر لے سکتے ہیں اور سب سے بڑا غیب خود ذات باری ہے صفات باری ہیں عالم آخرت ہے فرشتے ہیں جنت و دوزخ ہیں عذاب و ثواب ہے جس سارے کے متعلق انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی بات کرتے ہیں اور اس پورے باب کو علم کے اس پورے باب کو الٰہیات کہتے ہیں ۔ علم الٰہیات ۔ الٰہیات میں صرف نبی بات کرتے ہیں ۔ غیر نبی کبھی زبان نہیں کھولتا اور یہ ساری غیب کی باتیں ہوتی ہیں ۔ لیکن عجیب بات ہے کہ قرآن اسے بھی علم

غیب نہیں کہتا۔ حالانکہ قرآن کی اصطلاح میں یہ ہے۔ اگرچہ یہ امور غیبیہ کی باتیں ہیں مگر نبی کو ان کی اطلاع کر دی جاتی ہے بذریعہ وحی سب کچھ بتا دیا جاتا ہے بذریعہ کشف سب کچھ دکھا دیا جاتا ہے اس لیے نبی کا علم حصولی ہوتا ہے تو قرآن اسے علم غیب نہیں کہتا بلکہ اطلاع علی الغیب وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ۔ ہر ایک کو اللہ کریم غیب پر اطلاع نہیں دیتے وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِي مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاءُ مگر اپنے نبی اور رسولوں میں سے جسے چاہتے ہیں چن لیتے ہیں بتا دیتے ہیں۔

تو قرآن کی اصطلاح میں یہ اطلاع علی الغیب ہے علم غیبیہ ہیں انبیاء کو غیب پر مطلع کر دیا جاتا ہے اور دوسرے لوگ بھی غیب پر اطلاع پاتے ہیں لیکن یہ اطلاع پاتے میں نبی کے محتاج ہوتے ہیں نبی کسی انسان کا کسی دوسرے ذریعے کا محتاج نہیں ہوتا وہ براہ راست ذات باری سے حصول علم کرتا ہے۔

تو پھر عالم الغیب کون ہے صرف اللہ جسے کسی ذریعے کی کوئی احتیاج نہیں جو کسی بتانے والا کا محتاج نہیں دیکھنے کے لیے آنکھ کا محتاج نہیں سننے کے لیے کان کا محتاج نہیں جاننے کے لیے کسی کتاب اور کسی نصاب کا محتاج نہیں بلکہ علم اس کا ذاتی وصف ہے کچھ ہو چکا ہے یا ہو رہا ہے یا ہونے والا ہے اس کے علم میں ہر چیز موجود ہے اس کے علم میں نہ کوئی ماضی ہے نہ کوئی مستقبل۔ اس کا علم حضوری ہے ہر چیز ہر آن اس کے سامنے اس طرح سے پیش ہے جس طرح ہر وقت وہ موجود ہے کوئی چیز اس کی نگاہ ذاتی سے کسی لمحے کسی آن پوشیدہ نہیں سو ان سے کہہ دو کہ عالم الغیب بھی وہ اکیلا ہے انبیاء جو ہیں یہ عجیب بات ہے جیسے ہم رہتے ہیں ہماری طرح چلتے پھرتے کھاتے پیتے ہیں۔ عام انسانی زندگی ہے تو یہ کیسے نبی ہیں۔ فرمایا میں نے یہ تو نہیں کہا کہ میں فرشتہ ہوں یہ تم نے کہاں سے فرض کر لیا۔

تو پھر نبی کا صحیح تعارف کیا ہے تو فرمایا میرا تعارف

میں نبی ہوں مجھ پر اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے اللہ کریم مجھ سے باتیں کرتے ہیں اللہ کریم مجھے اپنی پسند و ناپسند کی خبر دیتے ہیں اور جو بات اللہ کو پسند ہے اس پر میں عمل کرتا ہوں اور جو اللہ کو ناپسند ہے اس پر میں عمل نہیں کرتا اب میرا امتحان یہ ہے جس بات کو میں وحی الٰہی کہتا ہوں کیا اس بات پر میں عمل نہیں کرتا۔ اگر میں خود اس بات پر عمل نہ کروں پھر تو تمہارا اعتراض درست ہے عجیب آدمی ہے کہتا ہے اللہ کا حکم ہے اور خود اس پر عمل نہیں کرتا اگر اللہ کا حکم ہوتا اور یہ اللہ کا نبی ہوتا تو خود نافرمانی نہ کرتا تو تم یہ موقع بھی میری زندگی سے تلاش نہیں کر سکتے اگر تمہیں کہیں یہ موقع نہیں ملتا تو جو میں کہتا ہوں جو کرنے کا حکم تم تک پہنچاتا ہوں پہلے اس پر خود عمل کرتا ہوں تو میری حقانیت کی یہی بہت بڑی دلیل ہے کہ وہ بات اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اس لیے میں پوری کوشش سے پورے خلوص سے اس پر عمل کرتا ہوں اور دوسروں کو اس پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہوں بس یہ میرا کام ہے یہ میرا دعویٰ ہے یہ میری دعوت ہے یہ میرا عمل بھی ہے یہ ہے منصب نبوت کی وہ تعریف جو اللہ کی کتاب نے کی۔

اب آپ اس کی روشنی میں دیکھیں نا نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل جو برکات دنیا میں تقسیم ہوتی ہیں ان کا کوئی شمار نہیں دنیا کے جو فائدے ہوتے ہیں ان کا بھی کوئی حساب نہیں۔ لوگوں کی تکلیفیں بھی دور ہوتی ہیں۔ مریضوں سے شفا بھی ہوتی ہے بھوکوں کی بھوک بھی دور ہوتی ہے یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ ایمان کی شرط قرار دے دیا جائے تو اسی لمحے ایمان غیر مقبول ہو جائے گا کہ یہ کام ہو تو ایمان لاتے ہیں نہ ہو تو ایمان نہیں لاتے ایسا ایمان کو منظور نہیں ہے نہ یہ حضور کا دعویٰ کہ ایمان لاؤ تو یہ ہو جائے گا۔ ہاں یہ دعویٰ ہے کہ ایمان لاؤ تو تمہیں اللہ سے واقف کر دونگا اللہ کے روبرو کر دوں گا تمہارا دل تجلیات باری کا مہبط بنا دونگا۔

فرمایا قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ط۔ کیا نہیں دیکھتے ہو کہ جو ایمان لاتا ہے اسے ایک نور عطا ہو جاتا ہے تمہیں دنیا میں بھی اپنے کام کا نتیجہ نظر نہیں آتا تم اندازے سے کام کرتے ہو مومن وہ نتیجہ بھی جانتا ہے جو کسی کام پر آخرت میں سامنے آئے گا دیکھو کتنی وسیع نگاہ ہے یعنی ایک شخص کام کرتا

ہے اور وہ اس بات سے بھی بے خبر ہے کہ جو میں کر رہا ہوں اس کے نتیجے میں کیا پیش آئے گا۔ کھانا جو میں کھا رہا ہوں اس سے مر جاؤں گا یا اس سے صحت ملے گی لیکن مومن جو کام کر رہا ہے اس کا نہ صرف دنیوی نتیجہ بلکہ اس نتیجے سے بھی میں اسے مطلع کر دیتا ہوں جو میدان حشر میں پیش آئے گا۔ فرمایا نگاہوں کو یہ وسعت دینا یہ میری ذمہ داری ہے یہ نبوت کا کام ہے دلوں کو نور دینا نگاہوں کو وسیع کرنا۔ انسان کو اللہ کی مرضیات سے آگاہ کرنا اور اللہ کے روبرو کر دینا یہ تو میری ذمہ داری ہے اس کی امید تو مجھ سے رکھو۔

اور اگر تمہارا تعلق حصول دنیا کے لیے ہی ہو تو دنیا کے پیسے تو ممکن ہے کوئی بادشاہ ہی دے سکتا ہو۔ دنیاوی امور کے لیے، سفارش کے لیے ممکن ہے کوئی وزیر یا امیر مجھ سے اچھی کر سکتا ہو۔

اب آپ اس ارشاد باری کے حوالے سے شیخ یا ولی اللہ کی جو صحیح پوزیشن ہے اسے اگر دیکھیں تو آپ کو صاف نظر آئے گی کہ ہم نے جو فرض کر لیا ہے کہ شاید ولی اللہ کے پاس اولاد مانگنے کے لیے جائیں یا بیماری سے شفا پانے کے لیے جائیں یا کاروبار کے لیے جائیں یا دنیاوی امور کے لیے جائیں تو کیا سب فضول نہیں جن امور سے اللہ کا نبی برأت کا اعلان کر گیا کہ بھئی یہ اللہ کے کام ہیں میں ان کا ذمہ دار نہیں ہوں ہاں میرا یہ کام ہے کہ تمہارا ہاتھ پکڑ کر تمہیں اللہ کے روبرو کھڑا کر دوں

پھر یہ حدیث میں ملتا ہے کہ تمہارے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ سے مانگو جب اللہ روبرو ہے تم اس کے بندے ہو اس کے پاس خزانے بھرے ہوئے ہیں تم جاتے تمہارا رب جانے وہاں تو ہر چیز مانگو صحت مانگو اولاد مانگو گھر مانگو دولت مانگو دنیا مانگو آخرت مانگو ایمان مانگو جو چاہو مانگو لیکن اس سے مانگو جس سے مانگنا چاہیئے۔ فرمایا میرا فریضہ یہ ہے کہ میں تمہیں اس قابل کر دوں کہ تمہیں اللہ سے مانگنے کا ڈھنگ آ جائے تمہیں اس کے دروازے پہ کھڑا کر دوں فرائض نبوت یہ نہیں ہیں کہ تمہیں اللہ کا دروازہ چھڑا کر تمہیں اپنے دروازے پہ کھڑا کر دوں۔

یہی حال کسی بھی شیخ کسی بھی ولی کا ہے کہ اس کا کام یہ ہے کہ اللہ کی مخلوق کو اللہ کے دروازے پہ کھڑا کر دے

نبی براہ راست اللہ سے لیتا ہے اور براہ راست اللہ کی بارگاہ میں لے جاتا ہے۔ ولی لیتا تو اللہ ہی سے ہے لیکن نبی کی غلامی کر کے لیتا ہے اگر براہ راست لیتا تو یہ بھی نبی ہوتا۔ ولی لیتا ہے باتباع نبی۔ اور اپنے ساتھ جو ہوتے ہیں انہیں اتباع یا غلامی نبی ہی کی سکھا سکتا ہے لیکن نبی کی غلامی انہیں اللہ کے روبرو پہنچا دیتی ہے پھر دنیا مانگو عقبیٰ مانگو بیماری سے شفا مانگو دولت مانگو جو چاہیئے مانگو لیکن اس سے مانگو جس کے خزانے ہیں جو تمہارا رب ہے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے اور جس نے اعلان کیا ہے کہ ہر متنفس کی ہر ضرورت کا میں ذمہ دار ہوں۔

وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا۔

تو فرماتے ہیں کوئی چیونٹی کوئی کیڑا کوئی متنفس جو زمین پر ہے اس کی ہر ضرورت میرے ذمہ ہے بات ہی ختم ہو گئی پھر کسی دوسرے کی ضرورت ہی باقی نہ رہی ہر ضرورت کا رب العالمین نے ذمہ لیا ہے تو جب اللہ نے خود ذمے لیا تو نہ مانگو تب بھی ملتا رہے گا۔

لیکن مانگنے پر بھی وہ خوش ہوتا ہے کیونکہ مانگنا اپنے عجز کا اپنی بیچارگی کا اپنی بے کسی کا اظہار ہے اور اس کی کبریائی اور اس کی عظمت کا اقرار ہے مانگنا ہی عبادت ہے۔ مانگنا ہی اپنی عبودیت اور بندگی اور اپنے محتاج ہونے کی دلیل ہے تو مانگو ہر چیز مانگو۔ چھوٹی سے چھوٹی چیز ایک قلم چاہیئے تو مانگو خلوص سے مانگو کہ خدایا مجھے دے دے ہر چیز مانگو لیکن اس سے مانگو۔

اور یہ تصور بھی جو ہمارے ہاں رواج پکڑ گیا ہے کہ جی ولی اللہ تو کہیں جنگلوں میں ہوتے ہیں اور نہ کھاتے پیتے نہیں سوتے جاگتے نہیں کسی کو نظر نہیں آتے کیا وہ انسان نہیں ہوتے اگر وہ انسان ہوتے ہیں تو انسان تو انسانوں میں رہتے ہیں الا ماشاء اللہ اگر کوئی مغلوب الحال ہو کر چلا گیا یا کوئی کسی بیماری میں مبتلا ہو کر یا بعض اہل اللہ کے حالات تھے حکومت وقت نے انہیں اپنے لیے مضر سمجھ کر آبادیوں سے نکال دیا شہر بدر کر دیا ان غریبوں کی مجبوری تھی کہ وہ جنگل میں رہنے پہ مجبور تھے یا بعض لوگ ذہنی طور پہ

برداشت نہ کر سکے تجلیات باری کو برداشت کر کے عام انسانوں کی طرح زندہ رہنا یہ انبیاء کا کام ہے نبی پر جس قدر بھی تجلیات باری برستی ہے انہیں ہضم کرتا ہے لیکن ہر ولی برداشت نہیں کرتا ذہن ماؤف ہو جاتے ہیں اور اگر ذہن کام چھوڑ دے تو وہ مکلف بھی نہیں رہتے پھر انہیں تو پاگل شمار کیا جاتا ہے جب وہ شریعت کے مکلف نہیں رہتے تو ہم ان کی بات سننے کے مکلف نہیں رہتے کہ ہم ان لوگوں کی بات سننے کے مکلف ہیں جو شریعت کو سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں اس لیے کسی مجذوب کا اتباع ضروری نہیں ہوتا اور نہ کسی مجذوب سے کسی کو فائدہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے فائدے سے بے خبر ہوتا ہے کسی کو فائدہ کب ہوگا، وہ شعور سے بیگانہ ہو جاتا ہے تو وہ دوسرے کو کیا فائدہ دے گا اس میں وہ ہوش ہی نہیں رہتی تو وہ دلیل نہیں بن سکتی آپ ایسے لوگوں کو چھوڑ دو۔ کسی باہوش صوفی کو آپ انسانوں سے جدا نہیں دیکھیں گے ایسے لوگ بھی جو بستیوں سے جدا رہے جس منزل میں تھے اور وہ بستی سے نکل گئے اس سے آگے ترقی نہیں کر سکے۔

کیونکہ ترقی منازل کا مدار بھی تو اس برتاؤ اس لین دین اس کاروبار، ان معاملات پر ہے جو آپ انسانوں سے کرتے ہیں جب آپ انسانیت سے ہی جدا ہو گئے تو شریعت کا اتباع کہاں رہا۔ نہ کسی سے معاملات رہے نہ کسی سے ملاقات رہی نہ کسی کی بات آپ سن سکے نہ کسی کو آپ سنا سکے جھاڑیوں میں بیٹھ کر کونسی شریعت کا آپ اتباع کریں گے۔ وہاں نہ کوئی انسان ہوگا نہ کوئی آپ کی سنے گا نہ کوئی آپ کو سنائے گا نہ کسی کے ساتھ کاروبار ہوگا نہ لین دین ہوگا تو شریعت کا اتباع کہاں ہوگا اس لیے یہ تصور بھی سرے سے غلط ہے۔

بلکہ جتنا کوئی عظیم آدمی ہوگا اس کی زندگی اتنی عام آدمیوں کی طرح ہوگی اور یہ ایسے لوگ صدیوں بعد ملتے ہیں کہ ان کے منازل جو ہوں وہ بہت بلند ہوں اور ان کی زندگی ایک عام آدمی کی زندگی ہو۔ ورنہ عام آدمی نارمل زندگی سے ہٹ جاتا ہے منازل تھوڑے ہوتے ہیں لیکن زندگی عام انسانی روش سے ہٹ جاتی ہے کسی کے کھانے میں خلل آجاتا ہے کسی کے بات کرنے میں خلل آجاتا ہے کسی کے معاملات، ملاقات، عام آدمیوں سے ہٹ جاتا ہے سمجھ نہیں آتی اور طرح کی زندگی ہو جاتی ہے عام انسانی زندگی میں زندہ رہنا یہ محض اللہ کا احسان ہوتا ہے کیونکہ انبیاء کے پاس تو وہبی طور پر قوت برداشت ہوتی ہے اولیاء اللہ میں بڑے عرصے بعد صدیوں بعد ایسے لوگ پیدا کیے جاتے ہیں جن کی زندگی ایک عام انسان کی زندگی ہوتی ہے۔

جیسے حضرت جی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کوئی شخص نہیں سمجھتا تھا کہ یہ کوئی عالم ہے جب تک بات نہیں ہوتی تھی ایک دن ایک مولوی صاحب مجھے بتا رہے تھے کہ صحیح مجھے یاد نہیں کہ ایک گھنٹہ انہوں نے بتایا یا ڈیڑھ گھنٹہ میں وہاں بیٹھا رہا وہاں مجلس میں تو ایک یا ڈیڑھ گھنٹہ میں کسی نے بہتر (۷۲) کتابوں کے حوالے نوٹ کیے جو آپ نے زبانی دیے تھے کہ فلاں کتاب فلاں مصنف کی ہے اس میں یہ لکھا ہے فلاں جگہ یہ لکھا ہے تو وہ کہنے لگا کہ عجیب بات ہے کہ آدمی چلتے ہوئے مل جائیں کوئی بیٹھا ہوا دیکھے تو سمجھ نہیں آتی کوئی پڑھا لکھا ہے عام سا آدمی نظر آتا ہے شاید انہیں نام لکھنا بھی آتا ہے یا نہیں۔ زندگی کا جو طریقہ ہے وہ وہی ہے جو اپنا دیہاتی آباؤ اجداد کا ہے جو اس قصبے کا ہے یا جو اس ماحول کا ہے کوئی تبدیلی نہیں جیسا شروع سے آرہا ہے آبائی وطیرہ لباس وہی ہے اٹھنا بیٹھنا وہی ہے غذا وہی ہے اسی طرح سے میل جول لیکن علمی استعداد اسی طرح روحانی استعداد آپ دیکھ رہے ہیں۔ کہاں تک ان کی بساط کس طرح لوگ مستفید ہو رہے ہیں ان کے نوکر ان کے خادم مسجد کے خادم تک فنا فی الرسول تھے لیکن عام آدمی کی طرح مٹی کا لوٹا ہاتھ میں ہے ٹوٹا ہوا غسل خانہ ہے ٹوٹی سی پٹڑی پہ بیٹھے وضو کر رہے ہیں عام آدمی کی جس طرح ہوتی ہے روش۔

تو یہ بہت مشکل ہوتا ہے اصل کمال یہ ہے کہ سب کمال کے ہوتے ہوئے انسانی زندگی اپنے معمول پر ہو نہ یہ کہ انسانی زندگی میں تغیر آتا چلا جائے کیونکہ تغیر کا آنا یہ انسانی کمزوری کی دلیل ہے اس کے ثابت قدم رہنے کی نہیں نبی میں تغیر نہیں آتا نبی جو ہوتا ہے اللہ کا وہ بالکل عام زندگی گزارتا ہے اس لیے ہر دیہاتی ہر چرواہے پر نبی کا اتباع لازمی ہوتا ہے آپ نے دیکھا اللہ نے کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا کہ یہ نبی کا اتباع نہ کرے صرف پڑھے لکھے لوگ کر سکیں گے نبی کی زندگی کا لیول اتنا اونچا تھا کہ عام آدمی غریب

سمجھ ہی نہیں سکے کیا کوئی ہے ایسی گنجائش بھی، اس کا مطلب ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام خود حضور صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی حیات مبارک اتنی عام انسانی زندگی ہے کہ ہر ان پڑھ آدمی بھی اس طرح کی زندگی گزار سکتا ہے اسی لیے سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کے مکلف ہیں اور یہ ہی وہ تعلق ہے جو سب سے زیادہ قیمتی ہے یہ وہ نعمت ہے کہ جو بغیر نبی اور رسول کی خدمت میں پہنچے حاصل نہیں ہو سکتی۔ باقی نعمتیں وہ نبی کی جوتیوں کی خاک سے بخشی مل جاتی ہیں دنیا بھی مل جاتی ہے دولت بھی مل جاتی ہے حکومت بھی مل جاتی ہے لیکن اسے شرط اطاعت بنا لینا یہ کسی طرح درست نہیں مل جائے اللہ کا احسان ہے نہ ملے نہ ملے لیکن نبی کا اتباع نصیب ہو جائے یہ بہت بڑی دولت ہے

اور اصل اطاعت اس بات پہ رہنی چاہیئے جو اصل فریضہ نبوت ہے اور وہ ہے کہ انسان کو اللہ کے روبرو کر دے اور اللہ کی بات انسان تک پہنچے۔

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ۔ کتنی عجیب بات ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے میں وہ کام کرتا ہوں جس کے کرنے کا میرے رب نے حکم دیا ہے اس میں اگر تمہیں کہیں قصور نظر آتا ہے کہ میں کہوں اللہ نے یہ چیز حلال کی ہے اور یہ حرام اور پھر اس پر خود عمل نہ کروں یہ کام کرنے کا حکم دیا ہے اور اس سے روک دیا ہے اور میرا عمل اس کے خلاف ہو پھر تم اعتراض کر سکتے ہو لیکن ایسا موقع تمہیں نظر نہیں آئے گا۔ یہی پہچان ایک اچھے مسلمان کی بھی ہے یہی پہچان کسی شیخ یا ولی اللہ کی بھی ہو سکتی ہے کہ وہ اطاعت الٰہی میں کتنا کس قدر استقامت دکھاتا ہے۔

رہ گئی یہ بات کہ ہم اس کے فرشتہ ہونے کا تصور کریں تو یہ سرے سے جہالت ہے انسان بہر حال انسان ہے اس میں انسانی اوصاف بھی ہوں گے انسانوں ہی کی طرح رہے گا اللہ کریم ہمیں ہدایت نصیب فرمائے۔

سالانہ اجتماع

دار العرفان منارہ

۲۰ ر جولائی ۸۹ء سے ۲۶ ر اگست ۸۹ء

- ۱۹۸۹ء کے ہفت روزہ اجتماعات۔ دار العرفان۔ منارہ

۱ ۳ نومبر سے ۱۰ نومبر تک

۲ ۱۲ دسمبر سے ۲۹ دسمبر تک

نوٹ:۔ اجتماعات کے اختتام پہ حاضری مرشد آباد ہو گی۔

- اجتماع لنگر مخدوم ۵ اکتوبر سے ۷ اکتوبر ۱۹۸۹ء

دار العرفان کے شب و روز

سالانہ اجتماع 20 جولائی تا 26 اگست 1989

تفصیل	اوقات	کیفیت
بیداری و نماز تہجد	2-45 تا 3-45	اس سے قبل بیداری کی اجازت لیکن کسی کو بے آرام نہ کریں۔
محفلِ ذکر	3-45	
نماز فجر	4-30	
درس و تدریس / اشراق	5-30 تک	
ناشتہ	6-30	ڈائننگ ہال میں
دار العرفان کے تعمیری کام / صفائی	7-00 تا 7-30	ٹھیک 7 بجے احباب باہر صحن میں جمع ہو جائیں برائے تشکیل۔
اجتماعی ذکر	7-50 تا 8-30	بالائی منزل
تربیتی پروگرام	8-30 تا 11-00	حافظ عبدالرزاق صاحب تفصیلی پروگرام جاری کریں گے۔
دن کا کھانا / آرام	11-30	ڈائننگ ہال / اپنا اپنا مقام
نمازِ ظہر و تلاوت قرآن حکیم	1-30 تا 2-30	
اجتماعی ذکر اور تربیتی پروگرام	2-30 تا 4-00	بالائی منزل
درس قرآن کریم	4-00 تا نماز عصر	
نمازِ عصر	5-30	
رات کا کھانا	6-30	ڈائننگ ہال
نمازِ مغرب	غروبِ آفتاب	تربیتی پروگرام کی ٹیم
محفلِ ذکر۔ حضرت دامت برکاتہم	بعد از اوابین	(۱) ۔ چیف : پروفیسر حافظ عبدالرزاق صاحب
نمازِ عشاء و آرام	9-00	(۲) اساتذہ معاونین : تمام حاضر صاحب مجاز احباب

ایک خط

محمد رفیق

محترم و مکرم جناب حضرت کرنل مطلوب حسین صاحب
دامت برکاتہم

السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، خیریت موجود و خیریت طلوب۔ المرشد کے تازہ شمارہ میں حضرت جی دامت برکاتہم کے سفر عمرہ کے سلسلے میں "موت سے زندگی تک" کا مضمون پڑھا جس میں یکم جنوری ۱۹۸۹ء کے ٹریفک ایکسیڈنٹ کا ذکر بھی تھا یہ کم و بیش تین سال میں دوسرا بڑا حادثہ ہے جو حضرت جی دامت برکاتہم کے ساتھ پیش آیا۔ ابھی تک منارہ کی پہاڑیوں میں ہونے والے حادثے کے نقوش تازہ ہی تھے کہ یہ دوسری جانکاہ خبر پڑھنا پڑی۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ حادثہ کیوں پیش آیا، اس کا ایک سادہ سا جواب یہ ہے کہ رب کریم کو ایسا منظور تھا، اس میں بھی شک نہیں کہ یہ حادثات حضرت جی دامت برکاتہم کی ترقی منازل کا ایک حصہ ہیں۔ انبیاء کے وارثین کی حیثیت سے جہاں راہ طلب میں سینوں میں علوم و اسرارِ الٰہی اور نورِ نبوت عطا ہوتا ہے وہاں یہ صعوبتیں بھی دبے پاؤں در آتی ہیں اور ربِ کریم کی رضا کے طالب جو کچھ بھی اس کی جانب سے عطا ہوتا ہے اُسے "جائے من المحبوب۔ محبوب" کے مصداق خندہ پیشانی سے قبول کرتے چلے جاتے ہیں۔

انہی صعوبتوں میں اگر موت بھی قریب آتی ہے تو ان کے حوصلے اور عزم کو دیکھ کر خجل ہو کے واپس چلی جاتی ہے۔

ان تمام باتوں کے باوجود میں اپنی کم فہمی اور بے بصیرتی کے باعث تھوڑا سا مختلف انداز فکر رکھنے کی جسارت کروں گا۔ اس سلسلے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کا مفہوم میرے ذہن میں کچھ یوں ہے کہ ایک صحابیؓ دور دراز سے حضورؐ کے پاس حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی سواری کی حفاظت کا بندوبست کر لیا؟ اُسؓ نے کہا کہ میں اپنی سواری (اونٹ) کو اللہ اور اُس کے رسولؐ کے حوالے کر آیا ہوں (مطلب یہ کہ باہر کھلا چھوڑ دیا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاؤ اور اسے کھونٹے سے باندھ کر آؤ اور پھر آ کے یہ کہو کہ اُسے اللہ اور اس کے رسولؐ کے حوالے کر آیا ہوں۔

میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس عالم اسباب میں، ہمیں بھی وہ تمام مادی اسباب اختیار کرنا چاہئیں جو بظاہر انسان کی حفاظت کے لیے ضروری ہیں۔ ان میں جہاں نئی اور مضبوط جیپ اور مشاق ڈرائیور ضروری ہیں (جو میسر تھے) وہاں سیٹ بیلٹ اور حالات کے مناسب گاڑی کی رفتار بھی اتنی ہی ضروری ہے (جس کی جانب غالباً توجہ نہیں دی گئی) حضرت جی دامت برکاتہم کی حفاظت نہ صرف تقاریر کے دوران جماعت کے ہر رکن کی عمومی اور منتظمین حضرات کی خصوصی

ذمہ داری ہے بلکہ دورانِ سفر بھی اس حفاظت کا اتنا ہی خصوصی انتظام اشد ضروری ہے جس میں حضرت جی کی نشست کا انتخاب سیٹ بیلٹ۔ گاڑی کی رفتار۔ خود ڈرائیور کا انتخاب اور دوسرے لوازماتِ سفر شامل ہیں۔ یہ مسئلہ جماعت کی مجلسِ منتظمہ کا ہے کہ وہ ایسے حادثات جو ہو چکے ہوں یا جو Near Miss Accidents ہوں۔ ان تمام کے ظاہری عوامل کا تفصیلی جائزہ لے اور آئندہ کے لیے جو بھی Recommended Actions ہوں انہیں عملی جامہ پہنائے۔

حضرت شیخ المکرم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعد حضرت جی دامت برکاتہم کا وجود ایک امانت ہے۔ ہمارے لیے اور ہماری نسلوں کے لیے۔ اس کی حتی الامکان حفاظت ہماری سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے خود حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کی حفاظت کے لیے پہرہ دیا ہے۔ ہمیں بھی وہ تمام مادی مکانی ضروریات پوری کرنا چاہئیں۔ ہماری ضرورت صرف حضرت جی کا وجود ہی نہیں بلکہ ان کی فعالی اور متحرک زندگی بھی۔ ہوتا تو یہ کہ ہم لوگ چل کر ان تک آئیں نہ یہ کہ حضرت جی خود چل کے ہمارے پاس جائیں۔

ہاں میری درج بالا عرض سے کہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اگر حضرت جی دامت برکاتہم نے سیٹ بیلٹ باندھی ہوتی اور گاڑی کی رفتار آہستہ ہوتی تو یہ ایکسیڈنٹ نہ ہوتا۔ ایکسیڈنٹ پھر بھی ہوتا لیکن کم از کم یہ تسلی ضرور ہوتی کہ جو کچھ انسان کے امکان میں ہے وہ تمام ہم نے پورا کیا تھا۔

یہ جو کچھ میں نے لکھا ہے یہ نہ تو میری تجویز ہے اور نہ ہی مشورہ کیونکہ میں خود کو تجویز و مشورہ دینے کا اہل نہیں سمجھتا یہ محض اور محض میری عرض داشت ہے۔ اس حادثے کو اب چار ماہ گذرنے والے ہیں اور اس خط کا پہلا صفحہ میں نے کوئی ڈیڑھ ماہ پہلے لکھا تھا۔ اُس وقت سے اب تا دمِ تحریر یہ سوچتا رہا ہوں کہ اس خط کو بھیجوں یا کہ نہ بھیجوں۔ حضرت جی کی حیثیت میرے لیے روحانی باپ کی سی ہے۔ رمضان شریف میں افطار سے پہلے جب ہم گھر کے پانچ افراد دُعا مانگتے ہیں تو حضرت جی کی صحت اور فعال زندگی کی دُعا بھی ضرور مانگتے ہیں۔ گنہگار ضرور سہی لیکن گنہگار اولاد کی حیثیت سے حضرت جی کے لیے دُعا کرنا بھی ہمارا فرض ہے۔ آگے قبول کرنا مالک کا کام ہے۔ میری اتنی ہی خواہش ہے کہ اس سلسلہ عالیہ کی قطار میں جو آخری آدمی ہو لے کاش کہ میرا شمار اُس میں ہو جائے۔ اپنی اس لیے دل نے کہا کہ یہ خط مکمل کر کے سپردِ ڈاک کر دوں۔ سو یہی کر رہا ہوں۔

ایک عرض اور بھی ہے وہ یہ کہ المرشد کا معیارِ طباعت وغیرہ پہلے سے بہت بلند ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں مزید ترقی عطا فرمائے۔ ایک بات جو حج اکبر کے متعلق سعودی گورنمنٹ کے کیلنڈر کی غلط فہمی کی وجہ سے چھپی اُس کے متعلق یہ عرض ہے کہ یہاں کے سرکاری دفاتر میں خصوصاً اسلامی تاریخ سے ہی کام ہوتا ہے اور وہ پورے سال کا کیلنڈر شروع سے چھاپ دیتے ہیں اور اُسی پر عمل کرتے ہیں لیکن رمضان شریف کی ابتداء۔ عید اور حج کی تاریخیں Tentative ہوتی ہیں Firm تاریخوں کا اعلان چاند دیکھ کر گورنمنٹ کی Anouncement سے ہوتا ہے۔ اس لیے اس کیلنڈر کو حج وغیرہ کے متعلق Firm سمجھ لینا مناسب نہیں ہے۔ آئندہ احتیاط فرمائیں تو زیادہ مناسب ہے۔

و... دعاؤں کا محتاج و احقر

محمد رفیق سعودی عرب

۲۶ اپریل ۱۹۸۹ء

سالانہ چندہ

اکثر ساتھیوں کا سالانہ چندہ ختم ہو چکا ہے وہ مہربانی فرما کر نئے سال کے لیے چندہ جمع کرا دیں تاکہ اُن کو "المرشد" کا اگلا شمارہ بذریعہ وی پی نہ بھیجنا پڑے۔

چندہ بھیجنے کا پتہ

اویسیہ کتب خانہ

الوہاب مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

مقامِ تجلّیات

حضرت مولانا محمد اکرم

یہ زمین پر جب علماء بحث فرماتے ہیں کہ شعائر اللہ مثلاً بیت اللہ شریف ہے۔ شعائر اللہ میں سے صفا و مروہ ہیں تو یہ سب چیزیں ایسی ہیں کہ وہاں جا کر انسان اللہ کی تجلیات اور اس کے انوارات وصول کرتا ہے۔ یہ چیزیں اُس کی تجلیات کا مہبط ہیں وہ جگہیں ہیں جہاں اس کی تجلیات نازل ہوتی ہیں۔ لیکن یہ کیں، آپ، ہم سب وہاں جا کر دیکھ سکتے ہیں۔ وہ بھی انسان ہی تھے جن کے طفیل اِن جگہوں کو شعائر اللہ بنا دیا گیا۔ یہ جگہیں بذات خود ہی مکرم و محترم نہ تھیں انہیں بھی بعض انسانوں ہی کی وجہ سے اس قدر فضیلت دی گئی ان پر تجلیات بس رہی ہیں پھر وہ جگہیں مکرم و محترم ہو گئیں۔

اس طرح کے جو انسان ہوتے ہیں جن کے ساتھ مس ہونے سے چیزیں یا جگہیں یا زمانے روشن ہو جاتے ہیں یہ صرف اللہ کے نبی اور اللہ کے مقبول بندے ہوتے ہیں۔ ہوتے وہ بھی انسان ہیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی انسان ہوتے ہیں لیکن وہی اصل میں شرف انسانیت ہوتے ہیں۔ ایسے ہی انسانوں کی وجہ سے انسان کو ساری تخلیق پر عزت و احترام حاصل ہے وہ ایسے نادر اور قیمتی انسان ہوتے ہیں جن گھروں میں ہوتے ہیں وہ گھر روشن ہو جاتے ہیں جن ممالک میں ہوتے ہیں اُن ممالک کو روشنی عطا کرتے ہیں جن زمانوں میں ہوتے ہیں وہ زمانے منور ہو جاتے ہیں جن جگہوں پر قدم رکھتے ہیں وہ جگہیں روشن ہو جاتی ہیں۔

کیا یہ عجیب بات نہیں ہے۔ صدیوں بعد کوئی اللہ کی توحید پر اُس کی ذات اور اس کی صفات پر یقین رکھتے ہوئے اُن وادیوں سے اُن گھاٹیوں سے گزر جائے اُس کا دل روشن ہو جائے اُس کا سینہ منور ہو جائے یہ بہت بڑا کمال ہے بڑی عجیب بات ہے۔ وہ جہاں سے گزر جائے جہاں وہ رُکیں جہاں وہ ٹھہریں جہاں سے چلے جہاں سے گزریں۔

اگر اُن کے عمومی مشاغل کا یہ حال ہے تو وہ امور جنہیں کرنے کا انہیں اللہ کی طرف سے حکم دیا جاتا ہے جنہیں وہ عبادت سمجھ کر فریضہ سمجھ کر ادا کرتے ہیں اُس میں کتنی قوت ہوتی ہوگی۔ اور پھر جو لوگ اُن فرائض کو بجا لاتے ہیں اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے اُن کے دل اُن کے سینے کتنے روشن ہونے چاہئیں اور اس قافلے میں وہ قافلہ جو سارے کا سارا انبیاء و رُسل کا ہے۔ اُن میں تمام نبیوں اور تمام رسولوں کے امام ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ وہ مینارِ نور ہیں جس سے تمام انبیاء و رُسل نے بھی اکتساب فیض کیا، خالق و مخلوق کے درمیان اخذ برکات کا واحد واسطہ جو ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ جن انبیاء نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے اور وسیلے سے اخذ برکات حاصل کیں اُن کی عظمتیں یہ ہیں کہ جو اُن کے نقش قدم پر چلا سرفراز ہوا، جنہوں نے اُن سے ٹکر لی تباہ ہو گیا۔

توپھر وہ لوگ کتنے خوش نصیب ہوں گے جنہیں براہ راست محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ درمیان میں کوئی واسطہ نہ رہا۔ اسی طرح اشارہ فرمایا ہے اللہ کی کتاب نے :-

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ ۔ تمام امتوں میں تم بہترین امت ہو یہی ایک وجہ ہے سب امتوں میں وہی برکات وہی تجلیات وہی انوارات حاصل کی ہیں جو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے اُن کے انبیاء نے حاصل کیں۔ اور اُس ذریعے سے اُن تک پہنچیں۔ تم وہ خوش نصیب ہو۔ جنہوں نے براہ راست اخذ برکات کیں۔

ہمارا مشاہدہ جو ہے وہ اس کے حق میں گواہی نہیں دیتا۔ لوگ حکم توحید و رسالت کا اقرار کرتے ہیں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی تکرار کرتے ہیں۔ اقرار کرتے ہیں ہم تصدیق کرتے ہیں مانتے ہیں۔ نماز ادا کرتے ہیں۔ لوگ تبلیغ کرتے ہیں۔ تقریر کرتے ہیں لوگ حج کرتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں روزے رکھتے ہیں اور اس کے باوجود لوگ ظلم کرتے ہیں لوگ ناانصافی کرتے ہیں۔ لوگوں کے دل سخت ہیں تاریک ہیں اور ان میں روشنی نام کی کوئی چیز نہیں۔ یہ ہمارا آج کا مشاہدہ ہے۔ یہ چیز ہم اپنے اردگرد دیکھتے ہیں یہ چیز ہم اپنے وجود میں دیکھتے ہیں یہ چیز ہم اپنے خاندان میں دیکھتے ہیں یہ چیز ہم اپنے دوستوں میں دیکھتے ہیں یہ چیز ہم اپنے گلی محلے شہر میں دیکھتے ہیں یہ چیز ہم اپنے ملک اپنی حکومت میں دیکھتے ہیں۔

میری بحث ان لوگوں سے نہیں ہے جو اسلام کو بحیثیت دین کے قبول ہی نہیں کرتے۔ میں اُن لوگوں کی بات کر رہا ہوں جو اپنے مسلمان ہونے کے دعوے دار ہیں۔

کیا وہ اصول ہم درست نہیں سمجھے یا خدانخواستہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی تقسیم ختم کر دی گئی ہے یا پھر کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم اتباع نہیں کر رہے بلکہ اتباع کی نقل کر رہے ہیں۔ دو تین باتوں میں سے کوئی ایک بات ہے پہلی دو باتیں جو ہیں اُن کے متعلق سوچنا غلط ہے اللہ جل شانہٗ نے اپنا دروازہ بند نہیں فرمایا۔ آج بھی اگر کافر بھی توبہ کرے تو اُس کی توبہ قبول کرنے کے لیے بھی اُس کی رحمت اُسی انداز میں آگے بڑھتی ہے جس انداز میں عہدِ نبوی میں کسی کافر کو مشرک کو قبول کر لیتی۔ کوئی گناہ سے واپس آئے تو اس کو بھی اُسی والہانہ انداز میں اپنی محبتوں میں جذب فرما لیتا ہے کسی کو واپس نہیں کرتا اُس کو شرمندہ نہیں کرتا کسی کو لوٹاتا نہیں دیتا آج بھی اس کی کتاب اُسی کی حفاظت سے انہی الفاظ کے ساتھ موجود ہے جن الفاظ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اور اس کی وہ ساری تشریحات جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائیں وہ موجود ہیں۔

بلکہ عجیب بات ہے کہ ایک ایک نقش جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے سے بنا آپؐ کی حرکت سے بنا آپؐ کے قدم اُٹھانے سے بنا آپؐ کے چلنے سے بنا آپؐ کے کام کرنے سے بنا وہ زمانے پہ اس طرح ثبت ہے کہ سورج کی طرح روشن ہے سوانح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ یہ اتنی عظیم ہستی ہے اور اس کا اتنا روشن سوانح موجود ہے کہ کوئی لمحہ آپ کا اُمت کی آنکھوں سے پنہاں نہیں۔ رات ہو یا دن خانگی زندگی ہو یا میدان جنگ کی ہو سیاسی ہو یا مسجد کی ہو کوئی بھی لمحہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا اُمت کی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہے اپنی اصل حالت میں سورج کی طرح روشن موجود ہے اور یہ اللہ کا احسان ہے کہ اتباع کرنے والوں کے لیے یہ روشن حیات بھی موجود ہے

برکات حاصل کرنے کے لیے

قیمتی لباس ہونا ضروری نہیں ہے آدمی کا دولتمند
ہونا ضروری نہیں ہے، آدمی کا خوبصورت
ہونا ضروری نہیں ہے آدمی کا زیادہ پڑھا لکھا
ہونا ضروری نہیں ہے آدمی کا شاید زیادہ صاحب
استعداد ہونا ضروری نہ ہو لیکن یہ ضروری ہے
کہ وہ جو بھی ہے اور جیسا بھی ہے اپنے دل کے
کے ساتھ آئے پاؤں کے ساتھ چل کر نہ آئے۔

اخذ برکات کا صرف ایک ہی راستہ ہے ایک ہی طریقہ ہے۔

قرآن کریم نے ایک عجیب انداز اختیار فرمایا۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۔ اللہ کریم نے قسم بھی اُٹھائی۔ فرمایا قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایمان کی چاشنی سے آشنا نہیں ہو سکتے، کبھی مومن نہیں ہو سکتے کبھی ایماندار بن سکتے ہی نہیں۔

حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ۔ جب

تک کہ ان کے جھگڑے کے قاضی، ہر جھگڑے کے فیصل، ہر جھگڑے کے حاکم آپ نہ ہوں۔ یعنی اپنی ہر بات میں آپ کا فیصلہ قبول نہ کریں ر چلیے ہم مان لیتے ہیں فیصلہ قبول کر لیا فرمایا نہیں ایسے بھی نہیں اگر تم ساری زندگی اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کرتے رہو تو تم مومن نہیں بنو گے یا اللہ پھر مومن کیسے بنیں گے جب ہم بات، حکم بھی مانتے ہیں اطاعت بھی کرتے ہیں پھر کیسے؟ فرمایا۔

ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ

ایماندار بندے کے لیے ضروری یہ ہے کہ جو حکم وہ دیں یہ دل سے قبول کرے کہ دل میں یہ بات نہ آئے کہ حضورؐ نے یہ حکم کیوں دیا ہے جب آپ کے حکم کو یہ دل ناپسند کرے گا۔ اگر دل سے پسند نہیں کرتے اور مان لیتے ہیں جس طرح ہم حکومت کے سینکڑوں حکم ہیں دل سے پسند نہیں کرتے لیکن ہم مانتے ہیں اس کی وجہ کہ ہم اس ملک میں رہتے ہیں۔ ملک کے شہری ہیں۔ ہم اس ملک کی حکومت سے ٹکر نہیں لے سکتے۔ ہم قانون کو پسند نہیں کرتے لیکن اس قانون کے مطابق رہتے ہیں کتنے قانون بنتے ہیں جو ہمیں پسند نہیں ہوتے کہتے ہیں یہ قانون سرے سے غلط ہے لیکن اِس کے باوجود ہم اُس کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ اس لیے کہ ہمیں خبر ہے کہ اگر قانون توڑیں گے تو ہم دھر لیے جائیں گے۔ فرمایا اِس طرح سے تم اگر نبی کی غلامی کرتے بھی رہو ایمان کی لذت سے آشنا نہیں ہو سکتے مجبور ہو کر نہیں اس لیے نہیں کہ مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہو گئے ہو۔ ہم اگر نماز نہیں پڑھیں گے تو لوگ شرمندہ کریں گے۔ یا میں مولوی ہوں میں نماز نہیں پڑھوں گا تو لوگ کہیں کے یار مولوی ہے نماز نہیں پڑھتا۔ خود تقریر کرتا ہے نماز نہیں پڑھتا یا اس نے داڑھی رکھی ہے اور دیکھو یہ نیکی نہیں کرتا ایسی باتیں نہیں کہ مجبوری سے کسی بھی دوسری وجہ سے اگر تم اطاعت بھی کرتے رہو مومن نہیں بنو گے اور اس پر اللہ کریم نے اپنی قسم دی ہے۔ یعنی معمولی بات نہیں اللہ کریم ویسے فرما دیتے۔ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ۔ اللہ سے زیادہ سچی بات کہنے والا کون ہے لیکن اس پر قسم دی ہے کہ قسم ہے تمہارے پروردگار کی کبھی ایمان کی چاشنی کو کبھی مومن ہو ہی نہیں سکتے جب تک دو باتیں اختیار نہ کریں ایک تو ہر کام میں فیصلہ آپ سے کب سونا ہے کب جاگنا ہے کہاں دوستی کرنی ہے کس سے دشمنی کرنی ہے کس طرح کمانا ہے اور کہاں خرچ کرنا ہے کیسے جینا ہے کیسے مرنا ہے۔

ہمارے ہاں تو رسوم اور رواجات مقدم ہیں۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمارے ہاں شادی ہو یا کوئی مر جائے شادی تو خوشی کی بات ہوتی ہے کوئی مر بھی جائے تو رسم کی پیروی کرتے ہیں سنت کی پیروی نہیں کرتے۔ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ رسم پوری نہ کی تو بدنامی ہو گی۔ یعنی سنت چھوٹتی ہے تو چھوٹ جائے رسم نہ چھوٹے، رواج نہ چھوٹے۔ تو پھر کہاں مانتے ہیں۔

جہاں کوئی رکاوٹ نہ ہو وہاں مان لیتے ہیں یہ ماننا نہ ماننا برابر ہے۔ جہاں پلے سے کچھ نہ جاتا ہو کوئی دباؤ نہ پڑتا ہو کوئی رکاوٹ نہ آتی ہو ہم مان لیتے ہیں تو ایسے ماننے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ دیکھو ماننا تو ایسا ہوتا ہے۔ جیسے صحابہ کرامؓ نے ابتدائی دنوں میں قبول کیا اسلام کو تو وہاں نہ نماز تھی نہ روزہ تھا نہ حج فرض ہوا تھا ابھی نہ زکوٰۃ فرض ہوئی تھی۔ احکام تو سارے بعد میں آئے، سارے کا سارا اسلام تھا اِنْ تَقُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہ کہہ دو اللہ ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں یہی کچھ اسلام تھا بس۔

یہ چھوٹا سا اسلام تھا جن لوگوں نے یہ قبول کیا کوئی اُن کی نظیر نہیں ملتی ہے تاریخ اسلام میں۔ اللہ کے نزدیک اُن کا کتنا درجہ تھا۔ نہ کوئی وہ تہجد پڑھتے تھے نہ کوئی اس وقت جہاد فرض تھا وہ بھی ہجرت کے بعد فرض ہوئی۔ نماز شب معراج کو فرض ہوئی، روزے بعد میں فرض ہوئے، زکوٰۃ اس کے بعد فرض ہوئی۔ یہ ساری باتیں تو بعد کی ہیں اُس وقت جب حضورؐ نے اعلان نبوت فرمایا تو سارا اسلام یہ تھا کہ جو کرتے ہو کرتے رہو جو کھاتے ہو کھاتے رہو جو پیتے ہو پیتے رہو۔

حتیٰ کہ شراب بعد میں حرام ہوئی۔ مدینہ منورہ آ کر حرام ہوئی اگر کوئی شراب پیتا ہے پیتا رہے لیکن کہہ دے لا الہ الا اللہ

محمد رسول اللہ۔

لیکن اتنی سی بات کہنا جان کی بازی لگانے کے برابر تھا یہ دو جملے کہنا یہ کہنے والے کے لیے جان کی بازی لگانے کے برابر تھا گویا پوری دنیا کے کفر کو چیلنج کرنا تھا کہ یہ تمہارے مفروضہ بت اور تمہارے سارے فرضی خدا جھوٹے ہیں۔ تمہارا مذہب باطل ہے۔ تمہارے باپ دادے کی رسومات باطل ہیں۔ اور تمہارے عبادت کے طریقے باطل ہیں اور ہم نہ تمہاری رسومات میں شریک ہوں گے نہ تمہارے معبد میں جائیں گے نہ تمہارے بتوں کو سجدہ کریں گے۔ نہ تمہارے رواجات کو مانیں گے۔

کہ جس نے کہہ دیا لا الہ الا اللہ پھر وہ اہل مکہ کی کسی رسوم میں شریک نہیں ہوا پھر اس نے ہر ظلم برداشت کیا کونسا ظلم ہے جو اُن پر نہیں توڑا گیا لیکن اہلِ مکہ کی کسی رسم میں پھر وہ شریک نہیں ہوئے۔

ہمارا اسلام کیا ہے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی ناراض ہو گا خیر ہے یار اسلام تو پھر یہاں ہے یہ ناراض نہ ہو جائے ہمارے ہاں برادری میں یہ رسم ہے یہ رسم ضرور کرو، خیر ہے ثواب گناہ تو دیکھا جائے گا بڑی زندگی ہے بعد میں۔ جب تعلق کی نوعیت یہ ہے تو اس پر آپ کا کیا خیال ہے اللہ کی تجلیات مرتب ہوں گی۔ یہ نوعیت تعلقات کی جو ہے اللہ ہمیں معاف کر دے۔ کہ اس کا منطقی نتیجہ تو عذاب کی صورت میں آئے گا۔ یعنی اس کا جو منطقی تقاضا ہے وہ تو یہ جُرم بنتا ہے ایک دھوکا بنتا ہے اور توحید بنتی ہے احکام رسالت کی اللہ کریم ہمیں اِس جرم سے پناہ دے۔

جب ہم اپنی رسومات کو اہمیت دیتے ہیں ارشادِ نبوت پرُ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پرُ تو اس سے بڑی اور کیا بات ہو گی۔

ہم کسی ایک پہلو پر تو نہیں ہیں کہ آج ہم ایک پہلو کو زیرِ بحث لائیں ہماری زندگی کے جتنے پہلو ہیں جتنی باتیں ہمارے سامنے آتی ہیں، دن بھر ہمارے گھروں میں شادیاں ہوتی ہیں آپ اور تو رہنے دیں یار میرے پاس کتنے لوگ آتے ہیں بچوں کی ملازمت کے سلسلے میں آتے ہیں وہ کہتے ہیں کسی ایسے محکمے میں ملازمت مل جائے جہاں رشوت ملے۔ کہ ابتداً توقع ہی یہ ہوتی ہے کہ کہیں سے ملے فرعون سے ملے حرام سے ملے مردار ملے لیکن دولت ملے یعنی جب ہماری تمنا ہی یہ ہوتی ہے اُس کے ساتھ اگر ہم اسلام اسلام کا دعویٰ کرتے رہیں تو کیا فرق پڑتا ہے۔

صرف اِس دعوے پر ہم یہ اُمید رکھیں
کہ ہم کو اللہ نور بخشے گا اور ہمارے دل روشن
ہو جائیں گے۔ تو اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ صرف
مومن بننے کے لیے بنیادی شرط یہ ہے کہ
پاؤں پر چل کر نہ آؤ ولوں کو لاؤ، غریب ہو
مفلس ہو جاہل ہو اَن پڑھ ہو لیکن اپنا سینہ
چیر کر نبی کے قدموں میں رکھ دو اور اُس کے
دل میں سب سے زیادہ عزت اور وقعت
جو ہو وہ نبی کے حکم کی ہو۔ باقی کسی کو ہو تو اُس
کا درجہ اُس کے بعد ہے۔

سب کو پتہ ہو کہ ہماری وہ بات مانی جائے گی جو نبی علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حکم کے مطابق ہے اگر ہماری بات حضورؐ کے ارشادات کے خلاف ہو گی تو یہ شخص حضور کا حکم مانے گا۔ ہماری بات نہیں مانے گا۔ اگر اسے ہم معیار بنا دیں تو میرے سمیت ہم میں کوئی ایسا ہے جس پر لوگوں کو امید ہو بھی تو معیار ہوتا ہے ہم سب کو تو پتہ ہے کہ میری نہیں مانے گا تو دو آدمیوں اور کو کہلا دیں گے اس پر آپ کا خیال ہے اِس پر تجلیات نازل ہوں گی؟ اس پر انوارات برسیں گے؟ جن لوگوں نے پہاڑوں اور گھاٹیوں کو منور کر دیا وہ سوچا نہیں کرتے تھے اُن کے گویا دماغ میں بھیجا تھا ہی نہیں، یہ دماغ کے بیچھے کی بات ہے کہ بیوی کو اور اُس بچے کو جو اسیّ سال کی عمر میں آپ کو نصیب ہوا ہے، اِس کو بے آب وگیاہ صحرا میں چھوڑ آؤ یہ عقل کی بات ہے۔ کوئی عقل تسلیم کرتی ہے کوئی ایسے آدمی کو برادری میں بیٹھنے دے گا کہ تمہارا دماغ درست ہے کسی کا قبیلہ یا کنبہ مانے گا لیکن خلیل اللہ بننے کے لیے انہوں نے سوچا تک نہیں۔ کوئی ماں یہ قبول کرتی ہے کہ اسے بتا دیا جائے کہ یہ اللہ کا حکم ہے اللہ کا حکم ہے تو مَیں یہیں رہوں گی۔

تو یہ وہ انسان تھے کہ جو جہاں سے گزر گئے وہ پہاڑیاں وہ وادیاں وہ صحرا شعائر اللہ بن گئے ایسے ایسے منور ہوئے وہ صحرا بھی

Phone : 516734
Res: 448914

AL-BARKAAT ESTATES

Property Consultants/Advisors
Rent Purchase & Sales

Capt. (Retd.) Khurshid Ahmed

6, 13-C, 12th Commercial Street Opp. Highway Motors
Phase 2, Defence Housing Authority Karachi.

ٹیلیفون ۵۱۶۷۳۴
گھر: ۴۴۸۹۱۶

البرکات اسٹیٹس

مشیرانِ جائداد

مکان، بنگلہ، کوٹھی کرایہ پر حاصل کرنے، خریدنے یا فروخت کرنے نیز قطعات اراضی کے لیے ہم سے مشورہ کریں۔

کیپٹن (ریٹائرڈ)
خورشید احمد

۶، ۱۳ سی، ۱۲ کمرشل سٹریٹ بالمقابل ہائی موٹرز،
فیز ۲ - ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی کراچی،

کہ صدیوں بعد بھی وہاں سے کوئی گزرتا ہے تو اللہ کریم فرماتے ہیں تمہارے گناہ معاف ہو گئے۔ یعنی اِس طرح سے انوارات کی بارش سے گزرتا ہے کہ ہمیشہ کے لیے اُن جگہوں کو انہوں نے اللہ کی تجلیات کا مہبط بنا دیا جہاں جہاں سے وہ گزرے۔ شاید اس لیے کہ وہ اپنے لیے خود نہیں سوچا کرتے تھے۔

اُن کے لیے صرف ایک ہی سوچ تھی ہمارے لیے ہمارے مالک نے کیا حکم دیا ہے۔ اُن کے بعد انبیاء کے بعد سب سے اعلیٰ درجہ صحابہ کا ہے۔ صحابہ عجیب عجیب لوگ ہیں۔ مَیں ایک دفعہ بخاری شریف دیکھ رہا تھا ایک حدیث میری نظر سے گزری حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ بدر سے فرمایا کہ آج کے بعد تمہارا جو جی چاہے کرو جنت کا تم سے اللہ کا وعدہ ہو چکا ہے۔ سب جنتی ہو۔ ایک دوسری بات جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی وہ آپ کے وصایا میں موجود ہے کہ میرے بعد اگر کسی بات پر بحث ہو اور کسی بات پر فیصلہ نہ ہو سکے اور رائے شماری کی جائے تو ساری اُمت اگر ایک طرف ہو جائے اور اہلِ بدر میں سے ایک آدمی زندہ ہو تو ایک کی رائے سب کے خلاف ہو تو اُس ایک کی بات مانی جائے۔

مَیں بڑا حیران ہوا یا اللہ یہ معاملہ کیا ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ حضورؐ نے اتنی تبلیغ کی اللہ کے احکام کی کہ یہ کرو یہ نہ کرو۔ ان کو تو بالکل چھٹی دے دی جو جی چاہے کرو یہ کیسے ممکن ہے اور حدیث صحیح ہے۔ حضورؐ کا حکم موجود ہے۔ پھر اہلِ بدر کے بعد بھی تو بڑے نیک لوگ ہوئے بڑے مخلص لوگ ہوئے پوری اُمّت حضور نے ایک طرف کر دی اور آپ فرماتے ہیں کہ بدر میں سے ایک آدمی زندہ ہو اور ساری امت کی رائے اُس کے خلاف ہو عمل اس کی رائے پر کیا جائے گا۔ تو سمجھ یہ آئی یہ لوگ وہ تھے جو اپنے لیے کچھ نہیں سوچا کرتے تھے یعنی انہیں رسول اللہ نے چھٹی بھی دے دی تو یہ وہی کرتے تھے جس کا حکم بارگاہِ رسالت سے ملتا تھا۔ یعنی یہ کہہ دو کہ جو جی میں آئے کرو ان کے جی میں بھی وہی آتا تھا جو حضور فرماتے تھے۔ کیسے عجیب لوگ کہ جنہیں یہ کہہ دیا گیا کہ جو تمہارے جی میں آئے کرو تو ساری زندگی اُن کے جی میں بھی وہی آیا جو حضورؐ نے فرمایا آپ کی پسند سے اختلاف کبھی انہوں نے سوچا ہی نہیں۔

اور یہی وجہ تھی کہ اِس لیے انہوں نے اپنی سوچیں ختم کر دیں مکہ سے لے کر تیرہ سال مکی زندگی میں انہوں نے وہ تربیت پائی کہ دنیا کا ہر حادثہ اُن پر سے گزر گیا یار کتنی عجیب بات ہے کہ تیرہ سال برداشت کرتے رہے سارے تو کمزور نہیں تھے اُن میں ایسے بھی تھے جو لڑ بھی سکتے تھے کسی نے ہاتھ نہیں اُٹھایا۔ کیوں؟ فرماتے ہمیں حضورؐ نے اجازت نہیں دی۔ لڑنا نہیں ہے تو کم از کم حضورؐ سے یہ تو کہہ سکتے تھے کہ حضورؐ ان ظالموں کے لیے بد دعا تو فرما دیجئے۔ ہمیں انہوں نے کتنا تنگ کر رکھا ہے یہ بھی نہیں کہا کہ وہ کہتے تھے خدا جانے خدا کا حبیبؐ جانے یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے ہمارا مسئلہ ہے کہ حکم ملا ہے ہمارا مسئلہ اُس حکم کی اطاعت کرنا ہے۔ کیا کرنا ہے کس سے کس طرح پیش آنا ہے خدا خود دیکھ رہا ہے۔ اللہ کا رسول خود جانتا ہے۔ ہمارے ساتھ شہر میں موجود ہے ہمیں بتانے کی ضرورت نہیں۔ کیسے عجیب لوگ تھے حکم دیا شہر چھوڑ دو چھوڑ کر چل پڑے اب مدینہ منورہ میں آئے اگر انہیں لڑنے کا حکم مکہ میں دیا جاتا تو اُن کی مضبوط قوت تھی، وہاں۔ اپنا کچھ نہ کچھ گھر تھا کسی کے پاس کچھ اسلحہ کوئی پیسے تھے کچھ تو تھا۔

وہاں سے ہر چیز چھوڑ کر مدینہ منورہ آئے جہاد کا حکم دے دیا اور شہر سے ڈیڑھ سو میل باہر جا کر لڑ پڑے انہوں نے نہیں پوچھا کس چیز سے لڑیں گے یا رسول اللہؐ کل تک ہم اُن کے خوف سے شہر چھوڑنے پہ مجبور تھے تو آج کونسی ہمارے پاس فوج آ گئی ہے کہ ہم لڑنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ مسئلہ بھی ہمارا نہیں۔ اُن کا مسئلہ تھا رسولؐ نے حکم کیا دیا ہے؟ انہیں حقیقی فنا فی الرسول نصیب ہوا۔ جو کچھ اللہ کا رسول چاہتا تھا۔ وہ کرتے تھے۔

حتیٰ کہ اس دنیا میں انہیں اللہ کی طرف سے کیونکہ حضورؐ وہی کچھ فرماتے تھے جو اللہ چاہتا تھا۔ تو حضور کا فرما دینا گویا اللہ کی طرف سے انہیں چھٹی دے دی گئی کہ میری دنیا میں جو چاہو وہ کرو۔ اس پر بھی انہوں نے وہی کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کرنے کا حکم دیا۔ کیسے عجیب لوگ تھے۔

ایسے لوگوں کے دِل تجلیات کو اخذ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ وہ دل جو اپنا وجود کھو دے وہ لوگ وہ افراد جو اپنی ذات سے گزر چکے۔ اللہ کے وہ بندے جو اپنے لیے سوچنا چھوڑ دیتے ہیں جو اپنے ذہنوں کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں نہیں لاتے۔ کیونکہ یہ سارا معاملہ ذہن اور عقل کی رسائی سے بالاتر ہے اگر عقل سے یہ چیز حاصل ہوتی تو نبی کو مبعوث

صفارہ اکادمی

اعلیٰ تربیت

شاندار نتائج

الحمدللہ اس سال پھر **صفارہ اکادمی** کے طلباء نے تعلیم کے میدان میں اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔

مڈل کے امتحان میں ۲۷ طلباء نے حصّہ لیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سب نے فرسٹ ڈویژن میں کامیابی حاصل کی۔ ۱۰۰٪ طلباء تو بہت سے اداروں کے پاس ہو جاتے ہیں مگر ۱۰۰٪ فرسٹ ڈویژن میں کامیابی ایک اعزاز ہے جو بہت کم اداروں کے حصّہ میں آتا ہے۔

الحمدللہ ثمّہ الحمدللہ میٹرک کا نتیجہ مڈل سے بھی زیادہ شاندار رہا ہے اور راولپنڈی بورڈ میں آرٹس گروپ میں پہلی تین پوزیشنیں بالترتیب ہمارے ہونہار طلباء فہیم اسلم گل، محمد زاہد عباسی اور شوکت حسین نے حاصل کیں۔ پچھلے سال بھی ہمارے طلباء نے فرسٹ اور سیکنڈ پوزیشن حاصل کی تھی۔

ان کامیابیوں پر ہم اللہ تعالیٰ سبحانہٗ وتقدس کے بےحد شکر گزار ہیں اور دعاگو ہیں کہ ہمیں اس ادارے کی صحیح طور پر خدمت کرنے اسے مزید چمکانے کی توفیق عطا فرمائے اور اس ادارے کو معاشرے کی اصلاح اور خدمت کا ذریعہ بنائے۔

پرنسپل

لیفٹیننٹ کرنل (ریٹائرڈ) محمد تنویر الرحمٰن

کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

عقل سے آدمی بے شمار چیزیں ایجاد کر سکتا ہے لیکن ساری مادی چیزیں روح کے متعلق کوئی رائی برابر عقل سے بات دریافت نہیں کر سکتا۔ کسی دل میں رائی برابر درد پیدا نہیں کر سکتا کسی دل میں ایک ذرہ چنگاری روشن نہیں کر سکتا۔ یہ عقل کا مسئلہ ہی نہیں ہے اور ہم اِس میں عقل کو کھینچ کر لاتے ہیں۔ ہم ہر بات پر حکم میں اپنی عقل کو پہلے لاتے ہیں جہاں مسئلہ دِل کو لانے کا ہے عقل کو لانے کا نہیں۔

تو جو دل کو لایا اُس کو لذت ایمان نصیب ہوئی اللہ فرماتے ہیں جو دل کو نہ لائے عقل سے بحث کرے اُسے ایمان نصیب نہیں ہوتا ایمان نصیب نہیں ہو سکتا کجا ہے کہ وہ تجلیات باری حاصل کرے وہ کیفیات ولذات حاصل کرے وہ برکات حاصل کرے یہ تو بہت دور کی بات ہے۔

اصل مسئلہ دل کی حضوری کا ہے ہاں عقل کا ایک کام ہے اور وہ ضرور کیا جانا چاہیئے۔ عقل کو یہ ضرور دیکھنا چاہیئے کہ جس دروازے پر میں جا رہا ہوں کیا وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی سکھائی جاتی ہے یا وہ لوگ خود حضورؐ کی غلامی سے آشنا نہیں ہیں یعنی غلاموں میں جا کر غلامی ملے گی۔ نافرمانوں میں جا کر نہیں۔ عقل کا اتنا کام ہے بس۔ یہ ضرور دیکھنا چاہیئے کہ جہاں جا کر بیٹھا ہوں جو باتیں میں سُن رہا ہوں۔ جو مجھ تک پہنچایا جا رہا ہے یہ کسی تیسرے کی بات ہے یا اللہ اور اللہ کے رسول کی ہے۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سورج کی طرح روشن ہیں ڈھکی چھپی نہیں ہیں اور یہ اللہ کا احسان ہے جس نے اپنی کتاب کی حفاظت کا ذمہ لیا اس میں وہ تفہیمات وہ تشریحات آجاتی ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر فرمائیں جو عمل حضورؐ نے کیا وہ قرآن کی عملی تفسیر ہے جو ارشادات حضور نے فرمائے وہ قرآن کی زبانی تفسیر ہے تو قرآن کی حفاظت میں قرآن کریم کی وہ عملی تفسیر بھی محفوظ ہے قرآن حکیم کی وہ لفظی تفسیر بھی اور تقریری تفسیر بھی، وہ بھی محفوظ ہے۔ حضورؐ کا ایک ایک لفظ محفوظ ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک حرکت ایک ایک سکون اور ایک ایک سنت محفوظ ہے۔

عقل کا یہ ضرور کام ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسن کے بکھرے ہوئے ان ہیروں کو دنیا کے رطب و یابس میں گم نہ ہونے دے۔ دنیا کی لذتوں کے ڈھیروں میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ضائع نہ ہونے دے اور جو سنت جہاں ملے اسے دل میں جگہ دی جائے پھر اُس کے ساتھ عقلی استدلات ہوں۔ جب دل یہ چیزیں اخذ کرے گا تو آپ دیکھیں گے آپ کے دل میں بھی وہی روشنی وہی برکتیں وہی رحمتیں اور وہی نعمتیں فراوانی سے بٹ رہی ہیں جس طرح اللہ کریم نے تقسیم فرمانا شروع کی تھیں جب تک اُس اُمت کو باقی رکھے گا، اُس کے خزانے اُسی طرح تقسیم ہوتے رہیں گے۔

نبی کریم ﷺ کے غزوات کی تعداد

—— حدیثِ عبداللہ بن یزید انصاری رضی اللہ عنہ : حضرت عبداللہ بن یزیدؓ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت براء بن عازبؓ اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہما کے ہمراہ (بارش کی دُعا کے لیے) نکلا اور انھوں نے نمازِ استسقاء پڑھی تو اپنے دونوں پاؤں کے بل بغیر منبر کے کھڑے ہوئے اور پہلے استغفار کی پھر دو رکعت نماز ادا کی جس میں باآواز بلند قرأت کی، لیکن: اذان کہی نہ اقامت۔

محرّم کا اِحترام

حضرت مولانا محمّد اکرم

جونہی یکم محرم کی صبح طلوع ہوتی ہے پورے ملک میں ایک مصیبت ایک پریشانی ایک فساد برپا ہو جاتا ہے۔ حکومت کے اپنے وسائل کسی جنگ یا کسی لڑائی میں صرف نہیں ہوئے ہونگے جتنے محرم کے دس دنوں میں یا اس مہینے میں فوج کی نقل و حمل پر یا پولیس کے لانے لے جانے اور فساد کو کنٹرول کرنے پر خرچ ہوتا ہے۔

عجیب بات تو یہ ہے کہ سب کچھ محرم آنے کے ساتھ اچانک شروع ہو جاتا ہے۔ اور پھر اچانک ختم ہو جاتا ہے۔ وہی لوگ جو لڑ رہے ہوتے ہیں، ایک دوسرے پر گولی چلا رہے ہوتے ہیں ایک دوسرے کو گلی سے نہیں گزرنے دیتے ایک دوسرے کو دیکھنا پسند نہیں کرتے پھر وہ ایک دوسرے کے ساتھ گزارہ کرتے ہیں مل کر بیٹھتے ہیں۔ کھاتے پیتے ہیں گپ لگاتے ہیں ایک جگہ رہتے ہیں کاروبار کرتے ہیں۔ وہی لوگ اسی گلی سے گزرتے ہیں اور سارا سال گزرتے رہتے ہیں۔ پھر کوئی جھگڑا نہیں ہوتا کوئی فساد نہیں ہوتا۔

محرم کے ساتھ ایک تاریخی حادثہ بھی وابستہ ہے۔ جس کی اہمیت سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاندان ظلماً شہید کر دیا جائے یہ بڑی جسارت بڑا ظلم ہے بڑی زیادتی ہے۔ خانوادہ نبوی کی شہادت بہت بڑا حادثہ ہونے کے باوجود ہماری تاریخ کا ایک حصہ ہے لیکن اس سے اسلام میں کسی عقیدے کا نہ اضافہ ہو سکتا ہے نہ کمی۔ اس پر کوئی نیا مذہب نہیں بن سکتا۔ مذہب اسلام وہی ہے جس کے بارے اللہ کریم نے سند دے دی حجۃ الوداع کے روز یوم عرفہ کے دن جب فرما دیا۔ اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ آج کے روز تمہارا دین مکمل کر دیا گیا۔

اس کے بعد کوئی ایک یا دو آیات کی خبر ملتی ہے جو نازل ہوئیں ان میں کوئی حکم نہیں تھا۔ کوئی نیا حکم اس کے بعد نازل نہیں ہوا جو نازل ہو چکے تھے احکام ان میں سے کسی کو ترجیح دی گئی ہے۔ یعنی اس آیت کے نزول نے دین پہ مہر لگا دی اور ہمیشہ کے لیے مکمل ہو گیا۔

اس کے بعد خدانخواستہ خود نبی کریمؐ ظلماً شہید ہو جاتے تو بھی دین تبدیل نہ ہوتا۔ حضورؐ کے صحابہؓ آپ کے اعزہ و

sins that he had committed during his lifetime."

Similarly, there is another Hadith in which the Holy Prophet is reported to have said:

"Whosoever stood with sincerity and firm belief in **ALLAH** for a single night's prayers during the holy month of Ramadhan, it is sufficient to obtain Divine Forgiveness for a whole previous life of sins."

According to scholars, a person who offers Isha & Fajar prayers in assembly in the mosque during the holy month of Ramadhan, falls under the purview of standing in prayer throughout the night. Besides this, if someone regularly offers Tahajjad, performs Zikr, recites the Holy Quran and performs other Supplemental prayers, he certainly adds to his Ibadat. He will get additional reward for such additional acts of worship. Because a person who performs a Supplemental prayer during the holy month of Ramadhan gets the reward equivalent to mandatory prayers. Yet the reward for the performance of mandatory prayers during this month is seventy times more than the normal reward. As a sequel to this discussion, it has been revealed that the blessings, as well as the rewards, of the holy month of Ramadhan have been so eminently exalted. According to the Holy Prophet (SAW), the first ten days of the holy month are full of blessings, the next ten are for seeking **ALLAH**'s forgiveness and the last ten days are exclusively meant for obtaining a certificate of Emancipation through unqualified obedience of **ALLAH**'s Commands.

Above all, there is a very blessed night in the last ten days of the holy month of Ramadhan called "Lailat ul-Qadar" the Night of Power. The reward of worship during this night is more than a thousand months - the exact quantum is at His discretion! The blessings of **ALLAH** do not end here but continue to increase. The most interesting aspect of this holy month is that all of the Satans are instantly imprisoned with the sighting of the Crescent of Ramadhan. This is solely to facilitate humanity to get rid of Satanic inspirations and also to help pave the way for acquiring piety and seek **ALLAH**'s forgiveness. According to an Hadith, there is an open invitation for Divine forgiveness during the course of Ramadhan. Whosoever seeks it, gets it due to His sheer kindness.

Now we as human beings make our own calculations, but without having a cross-check as to whether our prayers and all other acts of worship were absolutely according to **ALLAH**'s will or whether we have attained the required level of piety during the holy month of Ramadhan. In case we feel a pleasant change in our daily life and our minds are bent towards the Sublime Being, it means we have attained something with **ALLAH**'s blessings. And if the answer is not in the affirmative, then it means we have lost the holy month and failed to achieve the objective of life.

However, the one who attains the required level of piety during the month of Ramadhan is strong enough to fight with the Satanic forces and **ALLAH** will not let him fall. Although the Satans are set free at the end of Ramadhan but the true bondsmen acquire the capacity to keep on fighting with them until the next

اقارب آپ کے چچا آپ کے خادم آپ کے غلام آپ کے بڑے بڑے پسندیدہ اور محبوب لوگ شہید ہوتے رہے شہید کا معنی ہوتا ہے گواہ ۔ وہ اپنی جان دے کر بھی اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اسلام مذہب حقہ ہے اور اس پر جان تک قربان کی جا سکتی ہے ۔ اس لیے اسے شہید کہتے ہیں ۔ کسی بھی شہادت سے کوئی نیا مذہب نہیں بن سکتا ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے عہد مبارک میں تکمیل دین کی بشارت ہوئی پھر خلفاء راشدین کا مبارک زمانہ بیتا حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت رہی پھر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا امارت کا بیس سالہ دور پچاس سال کا یہ زمانہ گیا اور اکسٹھ ہجری کے محرم میں یہ واقعہ جانکاہ ہوا تو یہ حادثہ اسلام کی تکمیل کے اکسٹھ سال بعد نصف صدی بعد کوئی نیا اسلام تو پیدا نہیں کر سکتا ، حلال و حرام میں تو تبدیلی نہیں لا سکتا ۔ کسی عقیدے میں تبدیلی لانے کا حق تو نہیں رکھتا ۔

دوسری بات آپ بالکل بھول جاتے ہیں ۔ ایک سوال کا جواب مجھے دیجئے کہ جو شخص کسی کو نبی مان لیتا ہے وہ نبی اللہ کا برحق رسول ہو اور پھر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نبی ہوں ۔ کسی کذاب کو جنہوں نے نبی مان لیا جنہوں نے مرزا قادیانی کو نبی مان لیا کوئی قادیانی مرزا قادیانی کی اولاد پر گولی چلا سکتا ہے آپ کسی قادیانی سے یہ امید کرتے ہیں کہ وہ مرزا قادیانی کی اولاد پر گولی چلائے ۔ یعنی جو کوئی جھوٹا نبوت کا دعویٰ کرنے والے کسی کذاب کو نبی مان لیتا ہے تو وہ اس کی اور اس کی اولاد کے سامنے سر نہیں اٹھاتا ۔ تو مسلمان یا کلمہ گو یا جن کا تعلق محمد صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سے ہے کوئی بھی مسلمان خانوادہ رسول کو ذبح کرنے کی جرأت کر سکتا ہے ؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جسے نہ کبھی کسی نے پوچھا ہے نہ کبھی کسی نے سوچا ہے ۔ پھر یہ جو لکھا ہے تاریخوں میں واقعہ تو ہوا ہے ۔ آپ اس سے انکار تو نہیں کر سکتے شہید تو ہوئے ۔ کس نے کیا ؟ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کس نے کیا ؟ مسلمانوں نے ؟ مسلمان یہ کبھی کر سکتا ہی نہیں ۔ مسلمان کے لیے ممکن ہی نہیں ۔ وہ سارے گناہ کر سکتا ہے ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر آپ کے خاندان پر آپ کے نام نامی پر آپ کے ارشادات پر کبھی توہین آمیز نگاہ کبھی کسی دوسرے کی بھی برداشت نہیں کر سکتا ، جان دے سکتا ہے ۔

یہ ایک تحریک تھی یہودیوں کی چلائی ہوئی اور عبداللہ ابن سبا کے نمائندے تھے ۔ اسی کے پیروکار تھے ۔ وہ دھوکہ دے کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو مکہ سے لائے ۔ انہوں نے ہی بلایا انہوں نے ہی شہید کیا اور انہوں نے ہی ان کی شہادت کے بعد اسے پلیٹ فارم کے طور پر استعمال کر کے ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی ۔

کس مسلمان سے آپ یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ اس کلمے کو بدل دے گا ۔ جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری دنیا کے لیے پیش فرمایا ہے ۔ کسی مسلمان سے توقع رکھتے ہیں کہ ان احکام کے مقابلے میں کوئی نئے احکام بنائے کہ جو حضور نے کیے ہیں ۔ وضو استنجا کا حکم نماز کا حکم روزے کے مقابلے میں روزے کا علیحدہ حکم تمام فقہ پوری مرتب ہو گئی ہے ۔ عقائد علیحدہ مرتب ہو گئے ۔ کتاب علیحدہ بن گئی ۔ کلمے سے لے کر جنازے تک اذان سے لے کر نماز تک کتاب سے لے کر جہاد تک ہر چیز بدل گئی ۔ یہ کیا مسلمانوں کا کام تھا ۔ یہ ایک تحریک تھی جو مسلمانوں کے بھی اور اسلام کے بھی خلاف تھی ۔ اور اس کی پشت پر یہودی تھے اور یہودی ہیں ۔ اور تب سے لے کر اب تک اسلام کو سب سے زیادہ نقصان اسی تحریک سے پہنچا اور آج تک اس تحریک کی تاریخ ہے کہ ہمیشہ اس کا دامن مسلمانوں کے خون سے رنگین ہوتا رہا ۔ آج تک شیعیت کی تاریخ نے کسی کافر حکمران کے ساتھ جنگ نہیں کی اور یہ ایک شیعیت کی تاریخ میں ہے کہ جب سے یہ شیعیت بنی ہے تب سے اب تک کسی شیعہ حکمران نے کسی شیعہ امیر نے نے کسی شیعہ سلطنت نے کسی شیعہ بادشاہ نے کسی کافر کے ساتھ جنگ نہیں کی ۔ تب سے اب تک جب بھی ان کا بس چلا انہوں نے مسلمانوں کا قتل عام کیا ۔ کیونکہ بنیادی طور پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یہ ایک تحریک ہے بنیادی طور پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یہودیوں کی بنائی ہوئی یہ ایک تحریک ہے ۔

یہ جو کچھ ہمارے ساتھ محرم میں ہوتا ہے یہ بھی انہی کی لائی ہوئی مصیبتوں میں سے ایک ہے یہ تو ٹھیک ہے کہ

ایک بہت بڑا حادثہ ہوالیکن حادثہ ہوا گزر گیا۔ اس کا یہ مطلب تو ہو سکتا ہے کہ اگر ہم کٹ بھی جائیں تو کسی منافق کسی بدکار کسی ظالم کی اطاعت نہیں کریں گے۔ بلکہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کو مقدم رکھیں گے۔ لیکن اس کا یہ معنی ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ہم کوئی نیا دین ایجاد کر لیں یا گلیوں میں شور کرنا شروع کر دیں یا کمر باندھ کر چلنا شروع کر دیں۔ یہ جو کچھ عہد نبویؐ میں نہیں ہوتا تھا۔ وہ کچھ آج کرنا شروع کر دیں۔

اللہ کریم فرماتے ہیں۔

یہ اداروں کا کام ہوتا ہے جن کے ذمے ہوتا ہے کہ قانون کو نافذ کرنا یہ حکمرانوں کا کام ہے۔ یہ حکومت کا کام ہے جن سے پوچھا جائے گا کوئی بھی شخص اسلام کے نام پر کفر یا بدعت کرتا ہے حرام کو حلال کہتا ہے۔ اسلامی ملک میں تو حکمران یا حکومت اللہ کے نزدیک جوابدہ ہے کہ وہ ان کو منع کرے۔ میں اور آپ ان کے خلاف تبلیغ کر سکتے ہیں لیکن لاٹھی استعمال نہیں کر سکتے۔ لوگوں کو بتا سکتے ہیں۔ سمجھا سکتے ہیں۔ جو سمجھنا چاہیں۔ ہم پتھر نہیں مار سکتے۔ اس کا علاج اللہ کریم نے یہ فرمایا۔

کہ جب آپ ایسے لوگوں کو دیکھیں جنہوں نے ہماری آیات کو دین کو اسلام کو کھیل بنالیا ہے تماشا بنالیا ہے، مذاق بنالیا ہے اب یہ برا۔ ہے کہ کوئی اسلام کا انکار کرکے اس کا مذاق اڑانے کے لیے اس کا کھیل بنالیتا ہے۔

اور اسلام کے نام پر کفر کو ایجاد کرکے جو کھیل تماشے کیے جاتے ہیں یہ اس سے زیادہ جرم ہے۔ چونکہ وہ جو کچھ کرتے تھے تو اس میں نہ اللہ کا تصور تھا نہ آخرت کی نجات کی امید تھی۔ نہ اسے اسلام قرار دیا جاتا تھا۔ یہ جو کچھ خرافات کی جاتی ہیں اس پر آخرت کی امید دلائی جاتی ہے، اللہ کی رضامندی کی امید دلائی جاتی ہے اور اسے اسلام کہا جاتا ہے یہ اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے لیکن فرمایا۔ تمہارا کام یہ ہے کہ تم ایسے لوگوں سے علیحدہ ہو جاؤ۔ یعنی یہ حکومت کا قانون نافذ کرنیوالے اداروں کا کام ہے کہ انہیں روکے۔ لیکن عام شہریوں کا کام یہ ہے کہ خود کو ان میں ملوث نہ ہونے دے اس سے علیحدہ ہو جائے اور یہ اتنا موثر علاج ہے کہ ہمارے ملک کا اگر سنی آرام سے یکسو ہو کر بیٹھ جائے تو اس ملک میں شیعہ تحریک کی ساری آواز ختم ہو جائے۔ ان کے جلوس ناکام ہو جائیں ان کی ساری رونق ہی یہ تماشہ دیکھنے والے جا کر بناتے ہیں۔ کچھ دیکھنے جاتے ہیں کچھ ان میں دیکھا دیکھی شامل ہو جاتے ہیں۔ نوجوان لڑکے ہوتے ہیں۔ کچھ تماشے کے لیے شامل ہو جاتے ہیں۔ کچھ شغل کے لیے شامل ہو جاتے ہیں۔ اور کچھ چھتوں پر چڑھ کر دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ کچھ دیہ آگے بڑھتے ہیں ان کے لیے پانی کی سبیلیں لگا دیتے ہیں۔ کوئی انہیں روپے دیتے ہیں، اس طرح سے سارے مل ملا کے رونق کو بڑھاتے ہیں۔

کچھ ایسے ہوتے ہیں جو راستے میں لاٹھیاں لے کر کھڑے ہو جاتے ہیں گزرنے نہیں دیں گے، مارو، پکڑو، کیا فائدہ ہو گا کہ آپ ایک دن یا دو دن بندوق لے کر کھڑے ہو گئے، یوں تو سارا سال گھوڑا بھی وہ، انسان بھی وہی۔ اسی سڑک سے گزرتے رہیں گے پھر تو آپ کچھ نہیں کرتے۔ یعنی یہ درست ہے کہ جہاں سے ان کا جلوس نہیں گزرتا کسی نئی گلی میں جاتا ہے ان کے لائسنس بنے ہوئے ہیں۔ نیا لائسنس نہ بننے دیں۔ حکومت کے پاس جائیں درخواست دے دیں کہ ہماری گلی میں ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہاں کوئی شیعہ رہتا نہیں ہے وہاں ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے انہیں لائسنس نہ دیا جائے آپ بھی کوشش کریں آپ بھی درخواست دے دیں آپ بھی وکیل کریں یہ تو جائز بات ہے لیکن آپ اینٹیں لے کر چھت پہ بیٹھ جائیں یہ شرعاً بھی جائز نہیں ہے۔

اس کا قاعدہ یہ ہے کہ تمام مسلمان ان سے الگ ہو جائیں۔ جب تک وہ ان خرافات کو ختم نہیں کرتے آپ اس طرف بالکل نہ دیکھیں۔ وہاں نہ جائیں۔ ان کے ساتھ کوئی تعلق نہ کریں۔ اگر کوئی غلطی سے یا شیطان کے بہلاوے میں آکر جا بھی نکلے تو جیسے خیال آئے فوراً ان سے علیحدہ ہو جائے کبھی عام زندگی میں بھی کوشش کرے کہ ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنا اٹھنا نہ رہے۔

ہاں جو لوگ خود نیکی کرتے ہیں انہیں ان کی طرف سے جواب نہیں دینا۔ اگر تم خود نیکی کرو دوسرے برائی کرتے ہیں تو وہ اپنی برائی کا جواب خود دیں گے۔ ہاں ایک ہے۔ اگر تم میں کوئی ایسا آدمی ہے جو انہیں نصیحت کر سکتا ہے جو ان سے

بات کر سکتا ہے ۔جو کسی کو سمجھا سکتا ہے ۔اور کسی کے سمجھنے کی امید ہے تو اسے ایسی مجالس میں جانے کی اجازت ہے اللہ نے پھر بھی اتنی شفقت فرمائی کہ گنہگار ہوں ،بد کار ہوں، ظالم ہوں چور ہوں کیسی بھی مجلس ہو ایسا آدمی جن کے جانے سے انکا فائدہ ہو سکے یا جس کی بات سے وہ اثر لے سکیں یا جس میں یہ استعداد ہو جو انہیں بات سمجھا سکتا ہو اس کے لیے اجازت ہے کہ وہ ان کے پاس چلا جائے اور جس کے جانے سے انہیں کوئی فائدہ ہونے کی امید نہ ہو اس کا جانا بھی حرام ہے ،اس کے پاس مت جائے ۔کسی بھی ظالم کسی بھی گنہگار ،کسی بھی بد کار کے پاس مت جائے ۔

ایسے لوگوں کو بھی چھوڑ دو جنہوں نے اپنے مذہب کو کھیل تماشا بنا لیا ۔ مذاق بنالیا ۔اس میں صرف شیعہ نہیں آتے اس میں سارے وہ لوگ آجاتے ہیں جنہوں نے سنت کو چھوڑ کر رسومات کو مذہب بنا لیا ہے ۔خواہ ہم قوالی کے نام پر مزارات پر ڈھول بجانا شروع کر دیں ۔ طبلہ سرنگی لے کر بیٹھ جائیں اور کہیں کہ جی اس سے روح کو فائدہ پہنچ رہا ہے یا اور کوئی تماشہ کریں ۔ہم کچھ بھی کریں جو کام سنت سے ثابت نہیں ہے جس سے اللہ اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے منع کر دیا ہے . اس کو دین سمجھنا جو ہے ۔یہ دین کے ساتھ سب سے بڑا مذاق ہے ۔اس کو گناہ سمجھ کر کر لینا کم مضر ہے کم گناہ ہے آپ کوئی کام کرتے ہیں سمجھتے ہیں کہ میں گناہ کر رہا ہوں اس کا نقصان کم ہوتا ہے اور اس کو حلال اور ثواب سمجھ کر کرتے ہیں تو یہ بہت زیادہ نقصان دہ ہے ۔

اور اللہ کا حکم ہے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لیے بھی اللہ کے نیک بندوں کے لیے بھی کہ ایسے لوگوں کو چھوڑ دیا جائے ،ان سے علیحدگی اختیار کی جائے جنہوں نے مذہب کو کھیل اور تماشہ بنا لیا ۔ آج دیگیں پکا کر کھالو ، آج فلاں دن ہے ، آج عید ہے ،آج فلاں قوالی کرالو ، فلاں جگہ دیئے جلا لو ۔نماز کی فکر نہیں ہے ۔حلال و حرام کی فکر نہیں ہے سنت فرض واجب کی فکر نہیں ہے ۔ کھانا پینا سارا دین ہے تماشا دین ہے مذاق بنا ہوا ہے ، فرمایا ! ان لوگوں سے اے میرے حبیبؐ آپ علیحدہ رہیئے اپنے متبعین کو نیک لوگوں سے بھی کہیئے ان سے علیحدہ رہیں ۔یہ ایسا کیوں کرتے ہیں فرمایا ۔

انہیں دنیا نے دھوکا دیا ۔ یہ آخرت کو چھوڑ کر دنیا پہ فریفتہ ہو گئے ۔اس ذریعے سے اچھا کھانا چاہتے ہیں اس ذریعہ سے لوگوں سے پیسے بٹورنا چاہتے ہیں ۔ اس ذریعے سے شہرت بنانا چاہتے ہیں ۔ انہیں دنیا نے دھوکہ دیا ۔
انہیں دنیا کی زندگی نے دھوکا دیا ۔یہ اس پہ فدا ہو گئے اور اس کے دھوکے میں مار کھا رہے ہیں ۔

ہاں انہیں یہ بتاتے رہیے کہ نفس جو کچھ کرے گا اسے وہی بھگتنا پڑے گا ۔ برائی کو تم مذہب کا لباس پہنا کر کر دیا اسے دین کہہ کہہ کر کرو تو برائی برائی ہے ،نیکی نیکی ہے ۔نیکی کی سند یہ ہے دو باتیں نیکی کے لیے ضروری ہیں ایک یہ کہ یہ حضورؐ کے حکم کے مطابق ہو ۔تب نیکی ہو گی ۔ورنہ نیکی نہیں ہو گی دوسرا وہ خلوص کے ساتھ اللہ کی رضا کے لیے کی جائے ۔یعنی اگر کوئی آپ کی سنت کے مطابق عمل کرتے ہیں اور اس سے مراد بھی دنیاوی غرض ہے اس میں للہیت نہیں ہے ۔ عنداللہ وہ نیکی شمار نہیں ہوتی ۔ یعنی یہ دو باتیں جان ہیں نیکی کی ۔ ایک سنت کے مطابق حضورؐ کے حکم کے تابع اور دوسرے اللہ کے لیے کی جائے للہیت ہو اور اتباع رسالت ہو صلی اللہ علیہ والہ وسلم ، ورنہ انہیں یہ بتاتے رہیئے کہ کر لو جو کچھ کر رہے ہو ، بھگتنا بھی تمہیں کو ہے بھاگ نہیں سکو گے ۔ چھپ نہیں سکو گے ۔

آج جان جو کما رہی ہے وہ خود ہی بھگتے گی ۔اللہ کے مقابلے میں کوئی کسی کا دوست نہیں ہوتا ۔ نہ کوئی کسی کی شفاعت کرے گا ۔اگر کوئی کسی کا دوست ہو گا ۔ اگر کوئی کسی سے ہمدردی کرے گا ۔اگر کوئی کسی کی شفاعت کرے گا تو ان لوگوں کو شفاعت نصیب ہو گی ۔جو اللہ کی اطاعت کرتے ہیں ۔اور اطاعت میں کمی رہ جاتی ہے تو اللہ کے بندے اللہ کی عبادت ہی کرتے ہیں ۔جو کرتے ہی نافرمانی ہیں ایسا کوئی نہیں ہو گا ۔جو اللہ کے مقابلے میں کھڑا ہو جائے تم نے نافرمانی کی تو اچھا کیا ۔آپ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ۔ فرمایا یہ مت سوچو ایسا کبھی نہیں ہو گا کوئی نبی کوئی ولی یہ نہیں کرے گا ۔کہ وہ اللہ کو چھوڑ دے اور آپ کی حمایت میں کھڑا ہو جائے ۔اسے اللہ کی رضا مقدم ہو گی سب سے ۔

اور ایک بات اور بھی سن لو اگر ساری دنیا اکٹھی بھی کر لو تم ۔

وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ: ساری دنیا ایک شخص کی پاس ہو ایک گناہ کے بدلے دنیا کی ساری دولت دینا چاہے میدان حشر میں فدایا اس کی سزا چھوڑ دے تو اللہ فرماتے گا دنیا تیرے باپ کی ہے یہ تو پہلے ہی میری ہے تو اپنی سزا کو پالے۔ جس دنیا کے لیے اللہ کی ذات چھوڑی جاتی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ساری دنیا کبھی ایک شخص کے پاس جمع نہیں ہوتی۔ اگر بفرض محال دنیا کی ساری دولت ایک آدمی کے پاس ہو اور وہ لے کر میدان حشر میں چلا جائے تو کسی ایک گناہ کے بدلے ساری دولت دے کر بھی اس سے چھوٹ نہیں سکتا۔

چونکہ کفر کا پھل ہی یہی ہے ہر درخت پہ جو پھل لگتا ہے آپ جو کچھ بوتے ہیں جو بوتے ہیں جَو لگتے ہیں، چنے بیجے ہیں بوتے ہیں چنے لگتے ہیں۔ گندم بیجے ہیں گندم لگتی ہے۔ آم بیجے ہیں آم لگتے ہیں۔ کفر اگر بیجا جائے تو کفر کے بیج کے ساتھ ساتھ آدمی گناہ میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور نتیجۃً اس پہ جہنم کی سزائیں مقرر ہوتی ہیں۔ اگر ایمان نصیب ہو جائے تو احساس گناہ زندہ ہو جاتا ہے تو بہ نصیب ہوتی ہے۔ اللہ کی رحمت وسیع ہے شفاعت بھی ہے۔ بخشش کے ہزار بہانے ہیں۔ لیکن کم از کم عقیدہ درست ہو۔ ایمان صحیح ہو۔

محرم کیلیے اللہ کریم نے قانون بنایا ہے یہ بہتر ہے بجائے دوسروں پر لعن طعن کرنے کے یا مزید فساد پھیلانے کے بہتر طریقہ یہ ہے کہ ہم خود تمام ایسی خرافات سے علیحدہ ہو جائیں۔ ہم پھر اس آدمی سے بات کریں جو ہماری بات سنے کہ ان خرافات سے علیحدہ ہو جاؤ اور وہ آدمی جس کی کوئی بات سنتا ہو۔ جس کی بات کسی پہ اثر کرتی ہو تو وہ دوسروں کو سمجھانے کا مستحق ہے۔

سرکاری مُلازموں کے لیے تحفہ اور ہدیہ لینا حرام ہے

— حدیث ابوحمید ساعدی ﷛: حضرت ابوحمیدؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو صدقات وصول کرنے پر مقرر کیا۔ جب یہ شخص اپنے کام سے فارغ ہو کر آیا تو اس نے عرض کیا: یارسولُ اللہ! یہ مال آپ کا ہے اور یہ مجھے بطور ہدیہ ملا ہے۔ آپؐ نے اس سے فرمایا: تم اپنے ماں باپ کے گھر کیوں نہ بیٹھے رہے، پھر دیکھتے کوئی تم کو ہدیہ دیتا ہے یا نہیں؟ پھر آپؐ عشا کی نماز کے بعد کھڑے ہوئے اور آپؐ نے کلمہ شہادت پڑھا اور اللہ کی حمد وثنا بیان کی جس کا وہ مستحق ہے، پھر فرمایا: امابعد! یہ عاملوں کو کیا ہو گیا ہے؟ ہم ایک شخص کو عامل بنا کر بھیجتے ہیں پھر وہ ہمارے پاس آتا ہے اور کہتا ہے: یہ مال وہ ہے جس کی تحصیل کے لیے مجھے بھیجا گیا تھا اور یہ مال مجھے بطور تحفہ یا ہدیہ ملا ہے وہ آخر اپنے ماں باپ کے گھر کیوں نہ بیٹھا رہا پھر دیکھتا کہ اسے کوئی ہدیہ ملتا ہے یا نہیں؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے! ان محاصل میں جو شخص خیانت کرے گا قیامت کے دن وہ چوری کیا ہوا مال اپنی گردن پر لادے چلا آ رہا ہو گا اگر اونٹ چرایا ہو گا، تو اسے اس طرح لاد کر لائے گا کہ وہ بڑبڑا رہا ہو گا اور اگر گائے ہو گی تو وہ چلا رہی ہو گی اور اگر بکری ہو گی تو وہ ممیا رہی ہو گی۔ یاد رکھو! میں نے اللہ کے احکام تم تک پہنچا دیے۔ ابوحمیدؓ کہتے ہیں: یہ ارشاد فرماتے وقت نبی کریم ﷺ نے اپنا دست مبارک اونچا اٹھایا حتیٰ کہ ہم کو آپؐ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی۔

اخرجہ البخاری فی: کتاب ۸۳ الایمان والنذور: باب ۳ کیف کان یمین النبی صلی اللہ علیہ وسلم

علومِ دین و دُنیا

حضرت مولانا محمّد اکرم

ربِ جلیل نے تخلیق آدم علیہ السلام کا واقعہ ارشاد فرماتے ہوئے جہاں یہ ارشاد فرمایا کہ فرشتوں کو جب یہ اطلاع دی گئی۔ اِنّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَہ۔ میں زمین پر اپنا ایک نائب پیدا کرنا چاہتا ہوں ایک ایسا بندہ جو میری دوسری مخلوق پر تصرف کرنے کا اختیار رکھتا ہو میری طرف سے۔ اسے یہ حق حاصل ہو کہ وہ دوسری مخلوق سے فائدہ حاصل کرے اور اس کی یہ عزت اور یہ شان ہو کہ وہ میرا نائب ہو۔

خلیفہ عربی میں اُس شخص کے لیے آتا ہے جو کسی کے قائم مقام اُس کا حکم اور اُس کی منشا کے مطابق کسی فرض کو سرانجام دیتا ہے اُسی کا حکم نافذ کرتا ہے۔

توفرشتوں نے بڑی معصومیت سے یہ بات عرض کی یاالٰہی اگر تو اِس مخلوق سے مراد یہی ہے کہ وہ آپ کی تسبیح بیان کرے پاکی بیان کرے، حمد و ثنا کرے عبادت کرے، سجدے کرے تو اُس کام میں تو ہم کمی نہیں کر رہے نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ تیری تسبیح تیری پاکیزگی تیری عظمت کے بیان کے لیے تو فرشتوں کے بے شمار گروہ در گروہ موجود ہیں۔ اور زمین پر اِس سے پہلے آپ نے جو مخلوق پیدا فرمائی تو کیونکہ جنات پہلے آباد تھے زمین پر آپس میں لڑتے قتل کرتے ایک دوسرے پر خونریزیاں کرتے، برائی کرتے پھر اللہ کریم فرشتوں کو بھیجتے تو انہیں سزا دیتے اور اُن میں سے کسی نیک کو امیر بناتے اس کی اطاعت پر کاربند رہنے کا حکم دے کر چلے جاتے۔ کچھ عرصہ بعد پھر حالات بگڑ جاتے۔ تو وہ تجربہ تھا فرشتوں کو۔ انہوں نے کہا کہ رب جلیل اور جو مخلوق زمین پر آئے گی۔ وہ خونریزی ہی کرے گی۔ زمینی مخلوق کے تو مزاج میں یہ بات ہے کہ آپ نے جو پہلے درندے پیدا کیے ہیں وہ حیوانات کو کھاتے ہیں جو پرندے پیدا کیے ہیں وہ آدھے پرندوں کو کھا جاتے ہیں۔ آپ نے جنات پیدا کیے وہ ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں ایک اور مخلوق ہو گی تو وہ بھی کوئی فساد پیدا کرے گی۔ رب جلیل نے فرمایا میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے، تم

تو اتنا ہی جانتے ہو جو میں نے تمہیں بتا دیا ہے لیکن اُس وقت فضیلتِ آدمیت کو فرشتوں پر واضح کرنے کے لیے کیونکہ رب جلیل کا قانون یہ ہے قدرت اُس کی یہ ہے کہ وہ جو چاہے کرے کوئی نہیں روک سکتا۔ قانون یہ ہے کہ کسی سے زبردستی نہیں کرتا فرشتوں سے صرف یہ فرمانا کہ خاموش رہو تو بھی کافی تھا لیکن فرمایا نہیں آؤ تمھیں آدم کا کمال دکھائیں کہ جو خلیفہ یا نائب پیدا کرنا چاہتا ہوں۔

تو آدم علیٰ نبینا علی صلوٰۃ والسلام کو اللہ کریم فرماتے ہیں۔ ہم نے کائنات کے تمام چیزوں، اشیاء کے نام خصوصیات۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔ تو یہ جتنے علوم ہیں جتنے الفاظ ہیں حقیقتاً یہ سارے ہی اسموں سے ہیں کوئی کسی چیز کا نام ہوتا ہے کوئی کسی فعل کا نام ہوتا ہے ہوتے تو سارے ہی نام ہیں۔ جن سے علم بنتا ہے تو اللہ کریم فرماتے ہیں۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔ کائنات کی وسعتوں میں جس قدر چیزیں، اُن کی خصوصیات، اُن کے اوصاف، اُن کے فوائد، اُن کے نقصانات ہیں۔ میں نے تمام کے تمام اُس کو ازبر کرا دیا اور پھر فرشتوں سے بات کی تو فرمایا۔ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ۔ کہ یہ جو کائنات کی وسعتوں میں اور ارض و سما کی پنہائیوں میں چیزیں تمھیں نظر آ رہی ہیں اِن کے متعلق تم جانتے ہو؟ بتاؤ۔ تو انہوں نے کہا لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا۔ ہم کیسے جان سکتے ہیں۔ بار الٰہا ہم تو وہی کچھ جانتے ہیں جو آپ بتا دیتے ہیں۔ جاننا تو آپ کا کام ہے آپ کی صفت ہے۔

پھر جب آدم علیہ السلام کو حکم دیا۔

تو انہوں نے فر فر وہ چیزیں دُہرا دیں۔ اللہ کریم نے فرمایا کہ میں بہتر جانتا ہوں تم سے اور تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔

تو اس تفصیل کو عرض کرنے سے مقصد یہ تھا کہ فضیلتِ انسانیت کا سبب علم ہے جہاں سے علم رخصت ہو جائے یا جو شخص علم حاصل نہیں کرتا اُس نے گویا آدمیت کی اور انسانیت کی فضیلت ضائع کر دی۔ اِس لیے ارشاد ہوتا ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ۔ تخلیقی طور پر ہم نے انسان کو بہت بہترین انداز میں پیدا کیا لیکن جب وہ انسانی خصوصیات کو حاصل نہیں کرتا اُس سے روگردانی کرتا ہے انہیں چھوڑ دیتا ہے۔ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ۔ تو پھر وہ بہت نیچے گر جاتا ہے یعنی جو گھٹیا ترین مخلوق ہے اُس سے بھی نیچے چلا جاتا ہے فضیلتِ آدمیت ہے ہی علم۔ لیکن علم وہ جو مکمل ہو۔ ادھورا علم کبھی نفع نہیں پہنچاتا۔ آپ کسی فن میں دیکھ لیں آپ دنیا کی تجارت یا کاروبار بازار میں دیکھ لیں ملازمت میں دیکھ لیں کوئی بھی آدمی جو آدھا کام جانتا ہے وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتا اور کبھی نہ اپنا فائدہ کرتا ہے اور نہ دوسرے کو کوئی فائدہ پہنچاتا ہے پہلے ہمیشہ کسی نہ کسی وقت اتنا بڑا نقصان کر بیٹھتا ہے کہ جو اُس کے فائدے کی نسبت بہت بڑا ہوتا ہے۔

اس طرح یہ بھی ایک کامل صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ اِس کے دو حصے ہیں ایک حصہ انسانی جسم سے متعلق ہے اسے کیا کھانا ہے کیا پینا ہے اِس کے لیے کیا چیز نفع بخش ہے اسے کیا چیز نقصان دے گی کس چیز سے اِس کی صحت درست رہے گی کس چیز سے بگڑ جائے گی یہ ساری چیزیں علم الابدان کہلاتی ہیں، جسموں کا علم ابدان کا علم۔

دوسرا شعبہ ہے علم کا انسان کی روح کے متعلق تو یہ کیا شے ہے یہ کہاں سے آئی انسان کو کس نے پیدا کیا یہ کہاں سے آ رہا ہے اِس کی موت کیا چیز ہے یہ پلٹ کر کہاں جا رہا ہے یہ ساری مخلوق ایک سمت رواں دواں ہے لاکھوں لوگ کروڑوں لوگ

زیر زمین چلے جا رہے ہیں کہاں جا رہے
ہیں کیا یہی زندگی کا خاتمہ ہے انجام ہے
یہاں بس ہے یا اس کے بعد کچھ ہے یا
اس سمت رواں دواں رکھنے سے کیا مطلب
ہے کس نے اسے پیدا کیا ان سارے سوالوں
کا جواب اُس علم میں ہے جو انسان کی روح
انسان کی تخلیق اُس کے خالق اُس کی موت
اور ما بعد الموت ۔ موت کے بعد کیا ہے اس
کو زیر بحث لاتا ہے اس سارے علم کو
علم الادیان کہتے ہیں یعنی دین کے بارے
معلومات۔

اب تکمیل انسانیت یہ ہے کہ جس طرح آدم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام ذات باری سے بھی اس طرح قریب تھے کہ براہ راست انہیں مخاطبہ باری حاصل تھا مکالمہ باری حاصل تھا اللہ کریم براہ راست انہیں تعلیم فرما رہے ہیں ۔ اللہ کریم براہِ راست انہیں حکم دے رہے ہیں اللہ کریم اُن سے بات کر رہے ہیں ۔ اِسی طرح دنیا کی تمام چیزوں سے بھی وہ اِس طرح واقف ہوئے کہ اللہ نے انہیں وہ ساری چیزیں بتا دیں۔

اب وہاں سے آگے جب یہ علوم چلے تو بدن کے متعلق جاننے کے لیے تو عقل کی ضرورت پڑتی ہے صرف دماغ کی ۔ اُس میں نیک و بد مومن و کافر کی طرح کا کوئی فرق نہ تھا مومن بھی سیکھ سکتا ہے نیک انسان بھی سیکھ سکتا ہے گنہگار ، بدکار فاسق و فاجر بھی سیکھ سکتا ہے سارے وہ علوم جو بدن کے متعلق ہیں اور دماغ کی سلامتی سے تعلق رکھتے ہیں اگر اس کا دماغ درست ہے وہ محنت شروع کر دے وہ بھی سیکھ سکتا ہے ۔ نیک آدمی بھی اچھا ڈاکٹر بن سکتا ہے بدکار بھی اچھا ڈاکٹر بن سکتا ہے نیک آدمی بھی اچھا مستری بن سکتا ہے بدکار بھی بن سکتا ہے جہاں مومن بن سکتا ہے وہاں کافر بھی بن سکتا ہے اُس کے لیے کسی باطنی کیفیت کی ضرورت نہیں ۔ اور یہ علم انسانوں سے انسانوں کو دماغ کے راستے سے منتقل ہوتا ہے

دوسرا علم جو دین کے متعلق ہے روح کے متعلق ذات باری اور صفات باری کے متعلق زندگی اور موت اور آخرت کے متعلق تھا وہ علم اتنا قیمتی تھا کہ وہ علم انسانیت کو جب بھی ملا ۔ براہ راست رب العالمین سے ملا ۔ انسان انسانوں کو نہیں سکھا سکتا ۔ ہر ایک اور ہر زمانے میں اللہ نے نبی مبعوث فرمائے جنہیں خود تعلیم فرمائی اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اُس علم کو یوں تقسیم فرمایا کہ اُس کی بنیادی شرط یہ ٹھہری کہ جو نبی پر ایمان لاتا اُس کے دل میں نورِ ایمان ہوتا اسے نبی کی تعلیمات سے فائدہ ملتا اور اگر دل میں ایمان نہ لاتا تو تعلیمات فائدہ نہ دیتیں ۔ اِسی طرح ایمان کے بعد مقام آ گیا نیکی کا ۔ تو ایمان لانے کے بعد جو جتنی نیکی اختیار کرتا اتنی زیادہ باتیں اس کے دل میں گھر کر جاتیں اور جو نیکی میں پیچھے رہ جاتا علوم نبوت سے اتنا تھوڑا حصہ پاتا حالانکہ ایک ہی مجلس میں سب بیٹھے ایک ہی بات سنتے ایک ہی جگہ سارا کام ہوتا لیکن جو جو قلبی استعداد تھی پھر سب سے بڑی بات یہ کہ دین کا علم دماغ کی وراثت نہ رہا یعنی دماغ درست ہو دل میں نورِ ایمان نہ ہو تو دین کی سمجھ نہیں آئے گی ۔

اب آپ دیکھتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم فرماتے ہیں ۔ اور کتنے لوگ ہیں جو کفر کی موت مرے اور گمراہی میں رہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست سن کر اس کا اُن پر کوئی اثر نہ ہوا ۔ اس لیے کہ دلوں میں وہ نرمی نہیں تھی جو ایمان کو قبول کرتی ۔ آپ آج دیکھ لیں کہ بعض مغربی محققین دینی علوم پر بڑی تحقیق کرتے ہیں ۔ بڑا زور لگاتے ہیں وہ عربی ادب پڑھتے ہیں پھر تفاسیر پڑھتے ہیں ، حدیث پڑھتے ہیں ساری ساری عمر انہوں نے اِس پر لگا دی اور اس کے بعد انہیں حاصل کیا ہوتا ہے چند بے وقوفوں جیسے اعتراض جنہیں وہ خود بھی سمجھ رہے تھے کہ اس کی کوئی قیمت نہیں ، اُن کی عملی زندگی نہیں بدلتی وہ نیک نہیں ہوتے وہ بھلے انسان نہیں بنتے اُس سے کوئی فائدہ نہیں پاتے اِس کے برعکس اِس کا تعلق دل سے اور نورِ ایمان سے اِس طرح ہے کہ ایک وہ آدمی جس کے دل میں نورِ ایمان ہو اگر اسے عربی ادب نہیں آتا وہ قرآن حکیم کا ترجمہ نہیں سمجھتا اور حدیث شریف کا معنی انہیں

سمجھتا اس کے باوجود وہ قرآن پاک کی تلاوت کرتا رہتا ہے تو وہ نیک ہو جاتا ہے اُس کے حالات بدل جاتے ہیں اُس کی سوچ بدل جاتی ہے اُس پر اس کا اثر ہوتا ہے اور اگر وہ ترجمہ سمجھتا ہو تو نورٌ علیٰ نور ہوتا ہے۔

اس لیے کہ علمِ دین ہمیشہ براہ راست رب العزت نے خود تعلیم فرمائی۔ فرمایا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اور انبیاء کو جو تعلیم اللہ کریم کی طرف سے ہوئی اُس کا تعلق اُن کے اذہان پاک سے نہیں تھا اُس کا تعلق اُن کے قلوب مطہرہ سے تھا۔ اللہ کی طرف سے جب کلام الٰہی نازل ہوا تو اس کا مہبط بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب اطہر تھا حالانکہ آپ کا دماغ عالی بھی کائنات کے تمام دماغوں میں بے مثل تھا۔ لیکن تعلیمات باری اور علوم الٰہیات کے نزول کا اور کلام الٰہی کے نزول کی جگہ آپ کا قلب اطہر تھا۔

تو علم دین جو ہے یہ دلوں سے دلوں کو سفر کرتا ہے سب سے بنیادی شرط تو نورِ ایمان ہے اگر نورِ ایمان نہ ہو تو اُس کی قیمت کا آدمی کو احساس ہی نہیں ہوتا اُس کا فائدہ نہیں ہوتا اور ایمان کے بعد پھر مقام ہے ورع تقویٰ کا کہ جو جتنا نیک ہوگا جتنا آئینہ دِل صاف ہوگا اتنے علوم اُس کے دِل پر زیادہ اثر پذیر ہوں گے اور اگر آئینہ دِل غبار آلود ہو تو وہی آیات ہم سنتے ہیں وہی احادیث پاک ہم سنتے ہیں اور سارا دِن سُن کر اُسی کے خلاف عمل کرتے ہیں۔ عملی زندگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مَیں نے اپنے استاد سے حضرت وکیع رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ سے اُن کے اساتذہ میں سے ایک معروف استاد تھے اُن سے مَیں نے شکایت کی کہ حضرت سبق یاد نہیں رہتا پڑھتا رہتا ہوں یاد کرتا ہوں بھول جاتا ہوں۔

اپنے استادِ محترم حضرت وکیع سے اپنے حافظہ کی خرابی کی شکایت کی کہ مجھے بات یاد نہیں رہتی انہوں نے جواب یہ دیا کہ میاں اللہ کی نافرمانی کرنا چھوڑ دو۔ چھوٹا گناہ بھی مت کرو تھوڑی تھوڑی خطائیں بھی جو ہیں اُن سے بچو عجیب بات ہے شکایت ہو رہی حافظے کی کمزوری کی مجھے بات یاد نہیں رہتی اب اس کا علاج تو یہ تھا کہ کچھ مرغن چیزیں کھاؤ یا روغنیات استعمال کرو یا بادام کھاؤ یا مغزیات کھاؤ یعنی اُس کے دماغ کو قوت ملے گی یہ ہوگا وہ ہوگا۔ نہیں انہوں نے فرمایا۔ واوصانی الی ترک المعاصی۔ انہوں نے مجھے فرمایا کہ گناہوں سے بچو۔ اس لیے کہ جس علم کی تم بات کر رہے ہو۔ یہ علم دماغ کا نہیں یہ معاملہ ہے دل کا۔

لِاَنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِنَ اللّٰہِ اور علم دین اللہ کی طرف سے نور اور روشنی ہے۔

ونور اللہ لا یؤتیٰ لِعَاصِی اور اللہ کا نور گنہگار کے دل میں جگہ نہیں پکڑتا۔

دیکھو نا کتنی قیمتی بات آپ نے ارشاد فرمائی کہ اس علم کا تعلق ہی قلب سے ہے اور یہ اللہ کا نور اللہ کی روشنی ہے اُس کی تجلیات ہیں۔ اس کی صفات ہیں اور اِن کے لیے دل کے آئینے کا صاف ہونا ضروری ہے تو گویا انسان کامل تب ہوگا یا انسانیت سے مکمل مستفید تب ہوگا۔ جب وہ بدن کی ضروریات کو علوم ظاہری سے سیکھے میڈیکلی کیا چیز اسے مفید ہے کیا اِس کے لیے مضر ہے اور باطنی طور پر اِس کے اندر ظلمت کس چیز سے پیدا ہوتی ہے اور دل میں نور کس سے پیدا ہوتا ہے یہ چیز دین سے سیکھو۔

یعنی علمِ دین اس لیے سیکھئے کہ یہ بہت قیمتی ہے اور نورِ ایمان کے ساتھ دِل کی

جِلا اور دِل کی صفائی کے ساتھ براہِ راست نورِ نبوت سے نصیب ہوتا ہے اور ہمیشہ اللہ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو تعلیم فرمایا اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے عالم انسانیت میں اس کو بانٹا اور یہ شان صرف آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے کہ آپ کی بعثت کے بعد ہمیشہ کے لیے انسانیت کو کسی نئے نبی اور کسی نئی نبوت کی ضرورت نہ رہی اور یہ آپ کے طفیل ہے کہ آپ کی اُمّت میں اللہ نے ایسے افراد پیدا کر دیے جو اُس فریضے کو جو ہمیشہ انبیاء انجام دیتے آئے ہیں۔ وہ قیامت تک انجام دیتے چلے جائیں گے۔

اسی لیے فرمایا:۔
كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ۔ تم بہترین امت ہو اس لیے کہ تم دوسروں کے لیے پیدا کیے گئے ہو دوسروں کے لیے زندہ رہتے ہو تم امین ہو علوم الہیات کے اور اُسے دوسرے انسانوں تک پہنچاتے ہو۔ مگر ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہماری پوری قوم ایک طرف لگ گئی ہے کچھ حضرات نے، اللہ نے اُن پر مہربانی کی، انہیں دینی علم سے بہرور فرمایا اور انہیں ایسے اسباب مہیا فرمائے انہوں نے قرآن کریم حفظ کیا انہوں نے اس کا ترجمہ تفسیر پڑھی انہوں نے احادیث مبارکہ اور اُن کی شروح پڑھی انہوں نے فقہ سے آگاہی حاصل کی یہ بہت قیمتی علم تھا لیکن انسانیت کے لیے مفید پورا نفع تب انسانوں کو پہنچاتے جب وہ اِس کے ساتھ دنیوی علوم بھی حاصل کرتے وہی مفسر وہی محقق موٹر بھی چلا سکتا وہی محقق کھیتی بھی کاشت کر سکتا اُسی مفسر کو اگر ضرورت پڑتی بازار میں دوکانداری بھی کر لیتا اُسی محقق کو ضرورت پڑتی تو میدان کارزار میں بندوق بھی چلا لیتا۔ یعنی ضرورت تھی نا ان دونوں پہلوؤں کو جاننے کی۔ جتنا اُس طرف اس کا مقام تھا حق یہ تھا کہ اِس طرف بھی اتنا اعلیٰ مقام ہوتا کیونکہ یہ تو دنیا کا علم کمتر درجہ کا ہے جسے کافر بھی حاصل کر سکتے ہیں اور مومن تو بدرجہ اولیٰ کر سکتا ہے اور علم دین تو ذہنوں کو جِلا بخش دیتا ہے۔

مَیں نے یہ تجربتہً دیکھا ہے کہ بعض حضرات چھوٹے بچوں کو حفظِ قرآن کے لیے بھیج دیتے ہیں اور وہ جب قرآن حفظ کر کے آتے ہیں پھر انہیں سکول میں داخل کرتے ہیں تو وہ دو سال یا تین سال حفظ قرآن پر لگاتے ہیں تو وہ ایک ایک سال میں دو دو تین تین جماعتوں کا امتحان دے کر آگے نکل جاتے ہیں کیونکہ ان کے ذہن میں ایک استعداد پیدا ہو جاتی ہے جب وہ اعلیٰ علم رکھتے ہیں تو یہ دنیا کا علم ادنیٰ ہے اسے حاصل کرنا انہیں مشکل نظر نہیں آتا

تو اگر علماء جنہیں اللہ نے یہ نعمت عظمیٰ نصیب فرمائی تھی جیسا کہ ہمیشہ رہا ہے عہد نبوی میں صحابہ سارے ایسے بڑے عالم تھے جنہوں نے براہ راست نبی کریم سے علم کو سیکھا اور یاد رکھیں علم نام جاننے کا ہے کوئی لکھنا جانے پڑھنا جانے یا نہ جانے بات جانتا ہو وہ عالم کہلائے گا اِس بات سے واقف ہو کہ اللہ کی رضا کس بات میں ہے اِس بات سے واقف ہو کہ کس بات سے اللہ خفا ہو جائیں گے وہ عالم ہے دینی اعتبار سے۔

دنیوی اعتبار سے اُسے لکھنا پڑھنا آتا ہو وہ اشیاء کی خصوصیات جانتا ہو وہ میٹھے، نیک، ترش، بد اُس سے نفع

نقصان مضر مفید سے واقف ہو وہ چیزیں جو اللہ نے عطا کر دی ہیں اُن کا استعمال جانتا ہو اُسے ضرورت پڑے تو وہ دنیا کے کام میں موٹر چلا سکتا ہو لڑائی لڑ سکتا ہو کھیتی میں ہل چلا سکتا ہو۔ بڑی سخت ضرورت پڑ جائے اُسے وہ چلا سکے یعنی دنیا کے کام جو سامنے آئے وہ بھی کر سکتا ہو اور یہی کمال تھا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں۔ تابعین میں یہی کمال تھا۔ علمائے حق میں جتنے ائمہ آپ کو ملتے ہیں۔ ائمہ تفسیر ہیں یا ائمہ فقہ ہیں یا محدثین کرام کی جماعت ہے آپ انہیں دیکھیں تو بازار میں تو وہ بہت بڑے تاجر ہیں۔ مسجد میں وہ سب سے بڑے خطیب ہیں، مدرسے میں وہ سب سے بڑے معلم ہیں اور ضرورت پڑتی تو جہاد میں وہ بڑے جرنیل ہیں۔

زوال اُمت کے اسباب میں ایک بہت بڑا سبب یہ ہے کہ جب علماء نے دنیا کے علوم حاصل کرنے چھوڑ دیے اور اُن لوگوں نے جنہوں نے دنیوی علوم حاصل کیے انہوں نے دین کو سمجھنا چھوڑ دیا تو ہماری قوم دو حصوں میں بٹ گئی۔

آج بھی بحمد اللہ دینی اعتبار سے مسلمانوں کے پاس جس پائے کے علماء ہیں اُس پائے کا علم روئے زمین پر کسی مذہب کے پاس نہیں اس لیے کہ اور کسی مذہب کے پاس آسمانی کتاب ہی محفوظ نہیں اپنے نبی کے ارشاد ہی محفوظ نہیں اگر وہ علم کسی زمانے میں کسی نبی سے بھی عطا ہوا تھا تو وہ اُن سے گم ہو چکا ہے اور یا پھر اُن کی اپنی جوڑی ہوئی چند رسومات کا نام علم رکھ لیا ہے تو یہ نعمت مسلمانوں کے پاس ہے بحیثیت علم کے اللہ کے کلام کے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے روئے زمین پر کوئی قوم ایسے علماء پیش نہیں کر سکتی۔

اور یہ بھی بڑے مزے کی بات ہے کہ آج کل جتنی ماڈرن ٹکنالوجی ہے جدید ایجادات جو نئی چیزوں کی آج ہو رہی ہے اس میں بھی میں نے دیکھا ہے کہ جہاں جہاں مسلمان پہنچے ہیں کا فر اُن کا مقابلہ نہیں کر سکے۔ روس جانے کا تو اتفاق نہیں ہوا لیکن برطانیہ ہیں سکنڈے نیوین ممالک ہیں اور امریکہ کے ناسا (NASA) تک کے ادارے ہیں اُن میں بھی جو چوٹی کے ڈاکٹر ہیں اُن میں بیشتر مسلمان ہیں اور چوٹی کے سائنس دان اور محقق جو ہیں کہ نہ صرف مسلمان ہیں بلکہ اکثر پاکستانی مسلمان ہیں لیکن مصیبت یہ ہے کہ جہاں انہوں نے جدید سائنس میں اتنا علم حاصل کیا دوسری طرف انہیں سیدھا کلمہ بھی نہیں آتا۔ انہیں وضو کرنا نہیں آتا وہ حلال حرام سے واقف ہی نہیں ہیں۔

اور اس طرف ہمارے پاس بہت بڑے بڑے جید علماء ہیں لیکن اگر انہیں تھوڑا سا بھی فیلڈ کا کام کرنا پڑ جائے تو وہ نہیں جانتے تو قوم دو حصّوں میں بٹ گئی حالانکہ آج بھی دنیا کی بہترین قوم مسلمان ہیں اور ہمیشہ یہی رہیں گے اس لیے کہ اِس کے پاس علوم کے خزانے جو من جانب اللہ ہیں وہ دنیا میں اور کسی کے پاس ہیں ہی نہیں۔ جو نور اِس کے دل میں ہے وہ اور کسی کے دل میں ہے ہی نہیں اور آج بھی جو استعداد جو موقع اِس کے پاس ہے کہ یہ براہ راست دنیا کی پوری انسانیت میں مسلمان واحد وہ اکائی ہے جس کا ہر فرد براہِ راست رب العالمین سے بات کر سکتا ہے۔ وہ غریب ہے یا امیر ادنیٰ ہے یا اعلیٰ ان پڑھ

ہے یا پڑھا لکھا یعنی دنیا میں صرف مسلمان ایک قوم ہے جس کے پاس آج بھی یہ شرف ہے کہ ہر مسلمان اللہ کے روبرو کھڑا ہو کر اپنی بات رب العلمین سے کر رہا ہوتا ہے اور کوئی قوم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی لیکن ہماری یہ بدنصیبی کہ ہم نے کمالات کو تقسیم کر دیا اور ہر مسلمان ادھورا ادھورا انسان بن گیا ہے۔

نصف صدی ہونے کو آئی ہے ہم شور کرتے ہیں ملک پر اسلام نافذ کرو کیسے نافذ کرو۔ جنہیں اسلام آتا ہے وہ مسجد سے باہر نہیں نکلتے باہر کا کام نہیں کرتے، کر سکتے نہیں ہیں سیکھا نہیں ہے۔ کرنا چاہتے نہیں ہیں اور جنہیں باہر کا یا حکومت کا کام آتا ہے۔ انہیں کلمے کا ترجمہ بھی نہیں آتا انہیں نماز نہیں آتی انہیں وضو کا طریقہ ہی نہیں آتا۔ جنہوں نے نافذ کرنا ہے وہ سمجھتے ہیں پتہ نہیں کیا مصیبت ہے اور جنہیں پتہ ہے یہ اللہ کی نعمت ہے وہ نافذ کرنے کے قابل نہیں ایک پٹواری کی جگہ ایک بڑے محدث کو بٹھا دو تو پٹواری کا کام محدث نہیں کر سکتا حکومت کیسے کرے گا۔ اس لیے نہیں کہ پٹواری میں قابلیت زیادہ ہے محدث میں کم ہے اس لیے کہ محدث صاحب نے اُس طرف توجہ ہی نہیں فرمائی۔ ورنہ جو علم پٹواری نے دس برسوں میں کورس مکمل کیا تھا وہ محدث چاہے تو دس دنوں میں مکمل کرے چونکہ علم دین سے اس قدر استعداد آجاتی ہے۔

تو آج کی ہماری بہت بڑی ضرورت یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو جہاں بھی ہیں ستر برس کے ہیں یا اسی برس کے ہیں دس برس کے ہیں یا پچاس برس کے ہیں ہم اپنے اوقات میں سے اِن دونوں علوم کے لیے وقت نکالیں جو کام ہم کر رہے ہیں دکان کرتے ہیں یا کھیتی باڑی کرتے ہیں یا ملازمت کرتے ہیں تو جو کام کر رہے ہیں اُس کے کرنے کا بہترین طریقہ کیا ہے اسے بھی سیکھیں اور اپنے آپ کو ایک بہترین مسلمان بنانے کے لیے مساجد میں درسگاہوں میں علمائے کرام کے پاس بھی وقت لگائیں تاکہ وہی لوگ جو فیلڈ میں کام کر رہے ہیں عالم بھی بن سکیں۔ اور علماء کو بھی چاہیئے علماء کے ذمے بھی یہ ہے کہ جہاں اللہ تعالےٰ نے اتنی بڑی نعمت دی ہے ہمیں دین کی دنیا کے کام تو معمولی معمولی ہیں انہیں بھی سیکھیں اور حاصل کریں۔

آپ دیکھیں نا ہمارا بازار دو حصوں میں تقسیم ہو چکا ہے۔ جو دین سے واقف ہیں انہیں آپ دوکان پر بٹھائیں تو وہ نقصان کر دیتے ہیں تو یہ تو کوئی بات نہ ہوئی اور کچھ لوگ جو کاروبار سے واقف ہیں انہیں مسجد آنے کی فرصت نہیں یار میرا وقت ضائع ہو گا۔ میں وہاں جاتا نہیں۔

میں نے عرض کیا تھا کہ کوئی بھی کام آپ اُسے ادھورا سیکھ لیں وہ نفع نہیں بخشتا اب اِس سے بڑا نقصان کیا ہو گا۔ کہ مسلمان آزاد ہونے کے باوجود آزاد نہیں ہے کہ جی فلاں گورنر کو مقرر کیا جائے۔ تو امریکہ نہیں مانتا فلاں وزیر کو کیوں نہیں ہٹاتے وہ روس نہیں مانتا بھئی یہ کیا آزادی ہے یہ آزادی ہے یا لعنت ہے۔ کہ آپ نے کھانا کھانا ہے تو برطانیہ سے پوچھ کر کپڑے پہنتے ہیں۔ تو امریکہ سے پوچھ کر جوتا سلوانا ہے تو روس سے پوچھ کر

اِسے آزادی کہتے ہیں؟ یہ تو اپنے آپ کے ساتھ دھوکا ہے پہلے تو ہم ایک ملک برطانیہ کے غلام تھے اب تو ہم گاؤں کی بھابی بن گئے یعنی دنیا کے ہر ملک سے پوچھو بھئی میں کیا کروں کیا نہ کروں یہ تو آزادی نہیں ہے اور یہ اس لیے نہیں ہے کہ جو لوگ میدان میں کام کرتے ہیں وہ دین سے واقف نہیں اور جو لوگ دین سے واقف ہیں وہ میدان میں نہیں جاتے ورنہ مسلمان کو جسے براہِ راست رب العٰلمین کی حضوری حاصل ہے اُسے کسی کو روس کو یا امریکہ کو برطانیہ کو یا کسی دوسرے کو اتنی اہمیت دینے کی کیا ضرورت ہے کہ وہ جو کام کہے گا کروں گا۔ وہ نہیں کہے گا نہیں کروں گا۔ اُس کا کام تو ہے وہ خود بھی اللہ کی اطاعت کرے اور ان کو بھی کہے کہ میاں حق یہ ہے اس طرف آؤ، تم بھی اللہ کی مخلوق ہو تم بھی اللہ کے دروازے پر آؤ۔

تو اس کے لیے دنیوی علوم تو ہم اکثر و بیشتر دیکھتے دیکھتے سیکھ جاتے ہیں کیونکہ یہ آسان ہوتے ہیں یہ مشکل نہیں ہیں۔ میں نے عرض کیا ہے کہ صرف دماغ سلامت ہو تو کافر بھی حاصل کر لیتا ہے لیکن علم دین بہت قیمتی ہے بہت قیمتی دولت ہے۔ اللہ کا نور ہے اور جب تک دل ساتھ ہو اُس کا مہبط دل ہے۔ دل کی زندگی ہے ایمان اگر ایمان نہ ہو تو دل مردہ ہوتا ہے دل کی حیات ایمان ہے اور اُس کی صحت اللہ کی اطاعت اللہ کا ذکر اللہ کی عبادت ہے جوں جوں صحت مند ہوتا جائے اتنی اس کی پیاس علمِ دین کی طرف بڑھتی ہے۔ وہ پوچھ پوچھ کر عمل کر کے اُسے سیکھتا چلا جاتا ہے اور دلوں کی بیماری کا سب سے بڑا علاج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لِکُلِّ شَیْئٍ صِقَالَۃٌ ہر چیز کی پالش ہوتی ہے اُسے صاف کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی ریگمار ہوتا ہے کوئی پالش ہوتی ہے وصقالۃ القلوب ذکر اللہ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، دلوں کو روشن صاف اور صحت مند کرنے کی پالش جو ہے وہ اللہ کا ذکر ہے۔

رب جلیل فرماتے ہیں۔

اِلَا بذکر اللہِ تطمئن القلوب۔ دل صرف اللہ کے ذکر سے قرار پکڑتے ہیں۔ تو ہمیں توفیق بخشے اگر ہم قلبی ذکر بھی شروع کر دیں اللہ اللہ بھی کرتے رہیں۔ اِسے چھوڑیں نہیں تو آپ دیکھیں گے کہ دنیا کے کام سیکھنا بھی آسان ہوتے جاتے ہیں اور دین سیکھنا اور اس پر عمل کرنا بھی آسان ہو جاتا ہے دونوں راستے کھلتے چلے جاتے ہیں اللہ کی طرف سے اور یہ ہماری ضرورت ہے اگر ہمیں ایمان کے ساتھ آبرو کے ساتھ اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت پر جینا اور مرنا یہ ہماری ضرورت ہے کہ ہم ان دونوں کمالات کو اور دونوں علوم کو اپنے سینے میں جمع کریں وہ علمِ دین بھی ہو اور دنیا میں رہنے جینے اور زندگی گزارنے کا طریقہ بھی آتا ہو اللہ کریم ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

(بیان جامع مسجد پشاور
۲۰ اپریل ۱۹۸۹ء

کچلیوں والے درندوں اور پنجوں والے پرندوں کا کھانا حرام ہے

حدیث ابوثعلبہؓ: حضرت ابوثعلبہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کچلی والے درندوں کے کھانے سے منع فرمایا ہے۔

اخرجہ البخاری فی: کتاب الذبائح والصید: باب ۲۹ اکل کل ذی ناب من السباع

نمازِ وتر

طریقہ حنفیہ

محمد دین

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ رات میں اپنی آخری نماز وتر کو بناؤ (یعنی رات کی نمازوں میں تمہاری آخری نماز وتر ہو) صحیح مسلم۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو یہ اندیشہ ہو کہ آخری رات میں وہ نہ اٹھ سکے گا تو اس کو چاہیئے کہ رات کے شروع ہی میں (یعنی عشاء کے ساتھ ہی) وتر پڑھ لے اور جس کو اس کی پوری امید ہو کہ وہ (تہجد کے لیے) آخر شب میں اٹھ جائے گا تو اس کو چاہیئے کہ وہ آخر شب ہی میں (یعنی تہجد کے بعد) وتر پڑھے۔ اس لیے کہ اس وقت کی نماز میں ملائکہ رحمت حاضر ہوتے ہیں اور وہ وقت بڑی فضیلت کا ہے۔ صحیح مسلم۔

نوٹ:۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے چند خاص وصیتیں فرمائیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ "میں شروع رات ہی میں وتر پڑھ لیا کروں"

حضرت عبداللہ بن ابی قیس تابعی سے روایت ہے کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتنی رکعت وتر پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ چار رکعت اور تین رکعت اور چھ رکعت اور تین، اور آٹھ اور تین اور دس اور تین اور سات رکعت سے کم اور تیرہ رکعت سے زیادہ وتر نہیں پڑھتے تھے۔

سنن ابی داؤد

تشریح:۔ بعض صحابہ کرامؓ تہجد اور وتر کے مجموعے کو بھی وتر ہی کہا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا طریقہ بھی یہی تھا۔ انہوں نے اس حدیث میں عبداللہ بن ابی قیس کے سوال کا جواب بھی اسی اصول پر دیا ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی تین رکعتوں سے پہلے تہجد کبھی چار رکعت پڑھتے تھے۔ کبھی چھ رکعت کبھی آٹھ رکعت اور کبھی دس رکعت۔ لیکن چار رکعت سے کم اور دس سے زیادہ تہجد پڑھنے کا آپؐ کا معمول نہ تھا، اور تہجد کی ان رکعتوں کے بعد آپ وتر کی تین رکعتیں پڑھتے تھے۔

عبدالعزیز بن جریج تابعی کا بیان کرتے ہیں کہ ہم نے اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت

کیاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر میں کون کون سی سورتیں پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ پہلی رکعت میں آپؐ سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھتے تھے اور دوسری رکعت میں کل یا ایھا الکافرون اور تیسری رکعت میں قل ھواللہ احد اور مُعَوَّذَتَین (یعنی قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس۔ جامع ترمذی۔ سنن ابی داؤد۔

تشریح: وتر کی پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلےٰ دوسری میں قل یا ایھا الکافرون اور تیسری رکعت میں قل ھواللہ احد پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت اُبَیّ بن کعب اور حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ نے بھی روایت کیا ہے لیکن ان دونوں حضرات نے تیسری رکعت میں "معوذتین" پڑھنے کا ذکر نہیں کیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ کبھی آپؐ تیسری رکعت میں صرف سورہ اخلاص پڑھتے تھے اور کبھی اور اس کے ساتھ معوذتین۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کلمے تعلیم فرمائے جن کو میں قنوت وتر میں پڑھتا ہوں اللھم اھدنی فیمن ھدیت وعافنی فیمن عافیت وتولنی فی من تولیت وبارک لی فیما اعطیت وقنی شرما قضیت فانک تقضی ولا یقضی علیک انہ لا یذل من والیت تبارکت ربنا وتعالیت:۔ ترمذی، ابوداؤد نسائی، ابن ماجہ، دارمی

اکثر آئمہ اور علماء نے وتر میں پڑھنے کے لیے اسی قنوت کو اختیار کیا ہے۔ لیکن حنفیہ میں جو قنوت رائج ہے اللھم اِنّا نستعینک و نستغفرک اس کو امام ابن شیبہؒ اور امام طحاویؒ وغیرہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، علامہ شامی نے بعض اکابر احناف سے نقل کیا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ اللھم انا نستعینک الخ کے ساتھ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ والی یہ قنوت اللھم اھدنی فیمن ھدیت بھی پڑھی جائے۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے وتر کے آخر میں یہ دعا کیا کرتے تھے۔

اللھم انی اعوذ برضاک من سخطک وبمعافاتک من عقوبتک واعوذ بک منک لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علے نفسک:۔ ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وتر کا سلام پھیرتے تو کہتے تھے سُبحَانَ المَلِکَ القدوس۔ ابی داؤد، سنن نسائی۔

نسائی کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آپؐ یہ کلمہ تین دفعہ کہتے تھے اور اس کو لمبا کرتے تھے۔ (یعنی کھینچ کر پڑھتے تھے) اور بعض روایت میں ہے کہ آپ یہ کلمہ تیسری دفعہ بلند آواز سے کہتے تھے۔

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد دو رکعتیں اور پڑھتے تھے اور اسی حدیث کو ابن ماجہ نے بھی اس اضافے سے روایت کیا ہے آپ وتر کے بعد کی یہ دو رکعتیں ہلکی ہلکی اور بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ جامع ترمذی۔

تشریح: وتر کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت اُمّ سلمہ کے علاوہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ابو امامہؓ نے بھی روایت کیا ہے انہی احادیث کی بنا پر بعض علماء وتر کے بعد کی ان دو رکعتوں کو بیٹھ کر پڑھنا افضل سمجھتے ہیں۔ لیکن دوسرے حضرات فرماتے ہیں اس بارے میں عام امتیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز بیٹھ کر پڑھتے ہوئے دیکھا تو دریافت کیا کہ مجھے تو کسی نے آپ کے حوالے سے یہ بتایا تھا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کو کھڑے ہو کر پڑھنے والے سے آدھا ثواب ملتا ہے اور آپ بیٹھ کر پڑھ رہے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا ہاں مسئلہ یہی ہے لیکن میں اس معاملے میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔ میرے ساتھ اللہ کا معاملہ استثنائی ہے۔

اسی حدیث کی بنا پر اکثر علماء قائل ہیں کہ وتر کے بعد کی دو رکعتیں بھی بیٹھ کر پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر پڑھنے کے مقابلہ میں آدھا ہوگا۔

محبّت

قاریہ

خُدا جانے کیوں مگر لفظ ٔ محبت ' میں کچھ ایسی کشش ہے کہ کہیں بھی لکھا ہو ٔ انسان بلا ارادہ اگلی سطور دیکھنے لگتا ہے۔ یہی حال مئی کا " المرشد " دیکھ کر ہمارا ہُوا۔ پڑھنے کے لئے کھولا تو سب سے پہلی نظر سیحاب اویسی صاحب کے مضمون محبّت پر پڑی اور پھر خلافِ معمول صفحہ ٔ اوّل سے ابتدا کرنے کی بجائے اسی کو پڑھنا شروع کر دیا۔ یہ مضمون اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس میں مختلف انسانی رشتوں سے تعلق اور پھر انسیت پہ بڑے واضح اور خوبصورت لفظوں میں بحث کی گئی ہے، ہاں کہیں کہیں یہ احساس ہوتا ہے کہ محبّت جیسے جذباتی موضوع پہ لکھتے لکھتے گویا تحقیق کے چکر میں مصنف تھوڑا غیر جذباتی ہو گیا ہے اور میرے خیال میں یہ چیز کچھ ایسی بُری بھی نہیں۔

بہر حال ہُوا یوں کہ " المرشد " کی چند کاپیاں ہر ماہ میری کچھ طالبات خرید لیتی ہیں اور پھر پڑھنے کے بعد جہاں سے سمجھ نہ آئے فارغ وقت میں اُس پہ گفتگو ہو جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ رسالہ طالبات کو دینے سے پہلے میں خود پڑھ لیتی ہوں۔ جب سابق " المرشد " انہیں دیا تو ساتھ میں ہر مضمون کے متعلق تھوڑا بہت بتاتی گئی۔ جب آیا مرحلہ اسی " محبت " کا تو میں نے دیکھا کہ اُن ے تجسّس کو بھی ہوا ملی اور باقاعدہ خریداروں کے علاوہ بھی دو چار نے رسالہ خرید لیا۔ اگلے دن جب مئی کا شمارہ موضوعِ سخن بنا تو ہمارا ایک سارے کا سارا پیریڈ سیحاب اویسی صاحب کے اسی مضمون پہ لگ گیا۔ دسویں جماعت کی طالبات سے گفتگو کرتے کرتے میں نے محسوس کیا کہ اس مضمون میں کچھ کمی ہے، مصنف کوئی بات چھوڑ گیا ہے اور پھر ایکدم گویا ادراک کے پٹ وا ہوئے اور معلوم ہو گیا کہ کونسی اہم بات چھوڑی گئی ہے۔

یہ درست ہے کہ اس دنیا میں آنے کے بعد انسان مختلف رشتوں سے محبت استوار کرتا ہے یا اُسے محبت ہو جاتی ہے مگر تھوڑا سا غور کریں تو ہم دیکھیں گے کہ یہ تمام رشتے اور تمام تر محبتیں فقط ایک ذات کے گرد گھومتی ہیں اور وہ ہے انسان کا اپنا آپ۔ جی ہاں اپنے آپ سے محبت۔ سچ پوچھیے تو ہم تمام تر دنیوی رشتوں سے محبت ہی اسی محبت کے حوالے سے کرتے ہیں۔ ہمیں اپنے والدین عزیز ہیں تو فقط اس لئے کہ وہ ہمارے والدین ہیں۔ بہن بھائیوں سے محبّت ہے تو اس لئے کہ وہ ہمارے بہن بھائی ہیں۔ اسی طرح دوسرے رشتہ داروں اور عزیزوں سے محبّت بھی دراصل اسی محبّت پہ استوار

ہوتی ہے بلکہ آپ غور فرمائیں تو آپ کو احساس ہوگا کہ کتنا ہی قریبی دوست کیوں نہ ہو جب وہ ہماری تکلیف کا احساس نہیں کرتا، ہماری خوشیوں پہ خوش نہیں ہوتا اور سب سے بڑھ کر ہماری عزت نفس کو کسی بھی طور مجروح کرتا ہے تو وہی قریبی دوست اجنبیوں سے بڑھ کے دور چلا جاتا ہے بلکہ بسا اوقات یہ فاصلے کبھی نہ ختم ہونے والی دوری میں بدل جاتے ہیں۔

انسان کی تمام زندگی اس اپنی ذات سے محبت کرتے گذر جاتی ہے۔ گود سے نکلنے سے لے کر گور میں اترنے تک تعلیم، ملازمت، شادی، اولاد یہ سب کچھ انسان اپنے ذاتی سکون ذاتی مسرت و اطمینان کے لئے کرتا ہے اور زندگی میں وہ اگر سب سے زیادہ کسی کا خیال رکھتا ہے تو وہ اُس کی اپنی ذات ہی ہوتی ہے۔ اسی کے حوالے سے تمام خوشیاں مسرتیں، رنج، دُکھ، تکالیف، غصہ، حسد، رشک، نفرت اور پیار محسوس کرتا ہے۔ خود کو سنبھال کر رکھنا چاہتا ہے۔ اُس کی خواہش ہوتی ہے کہ اُسے کوئی غم نہ ملے، کوئی دُکھ نہ پہنچایا جائے، کوئی تکلیف نہ دی جائے۔

اس دنیا میں اگر محبتیں اس ذاتی محبت کے گرد گھومتی ہیں تو اس جہاں میں بپا ہونے والی تمامتر ہولناکیوں کا محور بھی انسان کی یہی "میں" اور "میرا" ہے کبھی وہ خود کو بچانے کے لئے، اپنے دفاع کے لئے کسی کو مار ڈالتا ہے اور کبھی اپنا کوئی حق وصول کرنے کے لئے کسی کو قتل کر دیتا ہے اور بسا اوقات تو اس کی فقط انا ہی اس کے ہاتھ لہو سے رنگ دیتی ہے کہا جاتا ہے فساد کی جڑ تین چیزیں ہیں زن، زر اور زمین مگر دیکھا جائے تو فساد کی جڑ فقط ایک ہی چیز ہے، اور پھر اس کے حوالے سے "میرا" پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک ہم اپنے حوالے سے تمام دنیوی رشتوں کو تو پہچان لیتے ہیں ماں باپ، بہن بھائی دوست احباب عزیز رشتہ دار ہر ایک کے متعلق اپنے رشتے کا ادراک ہمیں کروایا جاتا ہے اور اسی لحاظ سے مروت، محبت اور خلوص ہم اپنے اندر محسوس کرنے لگتے ہیں مگر ہماری بدقسمتی کی انتہا ہے کہ ہم نہیں سمجھتے تو اُس رشتے کو جو سب سے قریبی اور مقدم ہے۔ اتنا مقدم کہ اس کے سامنے دوسرے تمامتر رشتے ہیچ معلوم ہوتے ہیں اور وہ رشتہ ہے ہمیں تخلیق کرنے والے کا، ہم اس "میں" اور "میرا" کے چکر میں یہ بھول جاتے ہیں کہ خود بھی کسی کے ہیں اور یہ زندگی، یہ بدن، یہ روح ہماری نہیں بلکہ ہمیں دی گئی ہے۔ اس جسم و جاں پہ قرض ہے کسی کا جسے ایک دن لوٹانا ہے اس کے اصلی مالک کو۔ اور جب اُس ہستیٔ عظیم (جس کے لئے لفظ عظیم بھی بہت حقیر لگتا ہے) کو جاننے، پہچاننے اور سمجھنے کا فہم ملتا ہے تو پھر یہ "میں"، اور "میرا" اس قدر پیچھے رہ جاتا ہے کہ انسان اسے بھول جاتا ہے اس کا تو پھر ہوش ہی نہیں رہتا اور وہ چلا اُٹھتا ہے "لا، نہ میں، نہ کوئی اور، نہ زمین، نہ آسمان ہاں مگر" الا اللہ "اور یہی وہ مقام ہوتا ہے جب انسان اس چھوٹی سی دنیا سے باہر نکل آتا ہے۔

یہ "میں" کے نقش، اپنی انا، چھوٹی چھوٹی رنجشیں بہت حقیر، بہت ہی حقیر معلوم ہونے لگتی ہیں بالکل ایسے ہی جس طرح جوان ہونے پہ کسی شخص کو چڑیا کوے کی کہانی یا موم کی گڑیا معمولی اور اس کا حصول مضحکہ خیز معلوم ہونے لگتا ہے جب مطلوب طالب سے زبردست ہو، اس قدر بالاتر ہو کہ دونوں کے درمیان تقابل کا خیال بھی مضحکہ خیز معلوم ہو تو پھر طالب کی اپنی ذات، اپنا آپ اُسے خود ہی بہت چھوٹا اور پست معلوم ہونے لگتا ہے اور پھر وہ اپنے حوالے، اپنی ذات کے حوالے سے۔ محبتیں یا رنجشیں پالنے کی بجائے مطلوب کے حوالے سے دیکھتا، سمجھتا اور زندگی گزارتا ہے اور یہی وہ مقام ہے جسے فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ کہا جاتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ انسان محبتوں کو بھول جاتا ہے یا نفرتیں اس کے دل سے مٹ جاتی ہیں۔ رہتا وہ انسان ہی ہے اپنے تمامتر جذبات سمیت مگر ان جذبات کو ایک مرکز، ایک محور اور ایک سمت مل جاتی ہے پھر وہ اُسی کے گرد گھومتے ہیں۔ وہ نفرتیں کرتا ہے مگر کسی کے لئے، وہ محبتیں کرتا ہے مگر کسی کی خاطر اس لئے کہ پھر وہ اپنے آپ سے بھی اگر محبت کرتا ہے تو اپنی ذات کو کسی کی امانت سمجھ کر۔ وہ اب بھی بہتر زندگی کے حصول کے لئے کوشاں ہوتا ہے مگر یہ سوچ کر یہ زندگی کسی کی امانت ہے وہ جسم و جان کا خیال رکھتا ہے لیکن اس بات کے پیش نظر کہ یہ جسم و جان تو فرضی ہیں یہی وجہ ہے کہ پھر وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پہ نہیں اڑ جاتا۔ جب مقاصد بلند تر اور منزل بلند ترین ہو تو پھر رستے کی جھاڑیوں سے اُلجھ کر بیٹھ جانا حماقت معلوم ہوتا ہے۔

محبت ایسی ظالم چیز ہے کہ اس کی اپنی ایک طلب اور مانگ

ہوتی ہے۔ یہ جب دل میں گھر کرتی ہے تو اپنے ہونے کا خراج بھی وصول کرتی ہے۔ میں دوبارہ سیماب صاحب کے مضمون کی طرف پلٹتی ہوں۔ انہوں نے محبت کی تعریف Definition ضرور بیان فرمائی ہے مگر وہ تعریف، تعریف سے زیادہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ والدین سے محبت اس لئے ہوتی ہے کہ..... یا دوستوں سے پیار اس لئے ہوتا ہے کہ..... اور یہ بات محبت کیا ہے؟ سے زیادہ اس بات کو واضح کرتی ہے کہ محبت کیوں ہے؟ میں اس معاملے میں انتہائی خوش قسمت ہوں کہ زندگی میں مجھے بہت اچھے لوگ بھی ملے اور خاصی تعداد میں ملے جن میں سے بعض اگر انسانیت کا دماغ ہیں تو بہت سے انسانیت کا دل۔ انہیں میں سے ایک صاحب مرتبہ ہمارے ہاں تشریف لائے۔ بڑے نفیس اور صاحب ذوق حضرت ہیں۔ یونہی دورانِ گفتگو ہم نے اُن سے پوچھا صاحب یہ محبت کیا ہے؟ فرمانے لگے کیوں کیا ہُوا؟ عرض کیا بہت دفعہ یہ موضوع زیر بحث آیا مگر آج تک دل کی تشفی نہ ہوئی۔ کہنے لگے آپ دنیوی محبت کی طرف چلی جاتی ہوں گی۔ عرض کیا یونہی سہی مگر آخر یہ جذبہ ہے کیا؟ کچھ دیر اپنے ہونٹ چباتے رہے اور پھر آہستہ سے بولے "آنسو کا آنکھ میں آنا اور پھر ٹپکے بغیر واپس جانا محبت ہے۔"

کسی کا اس حد تک اچھا لگنا، عزیز ہو جانا کہ انسان اُس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے پر تیار ہو جائے محبت ہے۔ خواہ وہ اس کی اپنی ذات ہو یا کوئی دوسرا۔ ہاں فرق یہ ہے کہ جب اپنی ذات سے محبت ہو تو انسان خود غرض ہو جاتا ہے اور جب اسی کے حوالے سے کوئی دوسرا محبوب ہو تو پھر عاشق زار کی قربانیوں میں بھی حاکمیت پسندی در آتی ہے کہ چونکہ میں نے اتنی قربانی دی ہے لہذا یہ شخص بھی اب میرا ہی ہو کر رہے اور اگر کوئی شخص خود کو اس حاکمیت پسندی کے جذبات سے بھی بالاتر سمجھے گا تو پھر اس محبت کے ساتھ ایک وہم بھی پال لے گا کہ محبوب کو یہ تکلیف نہ پہنچ جائے وہ دکھ نہ دیکھنا پڑ جائے اس لئے کہ دکھ اور تکالیف پہ اپنا اختیار نہیں ہوتا۔ انسان خود نہیں جانتا کہ آنکھ سے ڈھلنے والا آنسو رخسار پہ پھسلنے سے پہلے مسکراہٹ میں بدل سکتا ہے یا منہ سے اُبلنے والے قہقہے کا انجام سسکیاں بھی ہو سکتی ہیں۔ ایسے میں اگر محبت ہی ان آنسوؤں اور سسکیوں کو عطا کرنے والے سے ہو تو دل میں محبت کی دھن کے ساتھ ایک اطمینان، ایک سکون اور ایک انجانی سی خوشی بھی اُتر آتی ہے اس لئے کہ پھر یہ دنیوی تکلیف دُکھ تو دیتی ہے مگر اس کے ساتھ تکلیف دینے والے (کسی بھی مصلحت کے تحت) کی محبت اس تکلیف پہ مرہم رکھ دیتی ہے اور تمام تر مصائب اور مشکلات میں انسان کے لئے یہی خیال کہ اللہ مالک ہے، کافی ہوتا ہے اور خدا کے فضل سے اگر یہ خیال دل کی گہرائیوں میں اُتر جائے تو یہ اپنے اندر اس قدر قوت و طاقت رکھتا ہے کہ بڑے بڑے طوفان بھی انسان کے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہیں کر سکتے۔

دلچسپ بات تو یہ ہے کہ جب اپنی ذات سے بڑھ کر اُس قادر المطلق سے محبت ہو جائے یا اُسے پہچان لیا جائے تو پھر انسان آپس کے گلے شکوے بھی بھول جاتا ہے۔ اس لئے کہ اپنے خالق سے محبت کر کے وہ بندوں سے بھی اُسی کے حوالے سے پیار کرتا ہے اور اُن کے حقوق احسن طریقے سے ادا کرنے کی کوشش بھی صرف اس لئے کرتا ہے کہ ان فرائض کو متعین کرنے والے کے سامنے سرخرو ہو سکے۔ وہ بندوں کو خوش رکھتا ہے صرف اور صرف ان بندوں کے خالق و مالک کو خوش کرنے کے لئے۔ اُس کا نقطۂ نظر یہ نہیں ہوتا کہ فلاں کی مدد کروں تاکہ کل وہ میری مدد کرے بلکہ وہ اس لئے مصیبت زدہ کی مدد کرتا کہ اس فعل سے اُس کا مالک خوش ہوتا ہے لہذا کل دن پھرنے پہ اگر مصیبت زدہ نظریں پھیرے تو پھر شکوہ اس لئے نہیں ہوتا کہ ہم نے جس کی خاطر اُس کی مدد کی ہوتی ہے ہمارا صلہ اُس کے پاس محفوظ ہوتا ہے۔ جب بندوں سے صلے کی توقع ختم ہوتی ہے تو باہمی شکوے شکایات بھی جاتے رہتے ہیں۔

رہا یہ سوال کہ اُس خالق و مالک کو پہچانا کیونکر جائے؟ اُس سے شناسائی کیسے ہو؟ تو یہ طریقہ حضرت جی مدظلہٗ بارہا بتا چکے ہیں۔ اگر کوئی طالب ہے طالبِ صادق تو وہ ان طریقوں پہ عمل کر کے، حضرت جی مدظلہٗ کے بتلائے ہوئے راستے پہ چل کر منزل کو پا سکتا ہے۔

آؤ سب مل کے چلیں اہلِ نظر کی جانب
جہاں آغاز کا خدشہ ہے نہ انجام کا ہے

توحیدِ باری تعالیٰ

ڈاکٹر محمد دین

زمین اور آسمان کی مختلف شکل وصورت ، مختلف رنگ ، مختلف مزاج اور مختلف نفعوں کی موجودات ، اپنے خالق کے وجود اور اس کی عظیم الشان سلطنت کی بہت بڑی دلیل ہیں ۔ کسی بدوی سے اللہ تعالیٰ کے موجود ہونے کی دلیل پوچھی گئی تو جواب دیا جس طرح مینگنی کے آثار سے اونٹ کا پتہ چلے اور پاؤں کے نشانات سے یہ معلوم ہو کہ کوئی آدمی گیا ہے تو کیا یہ برجوں والا آسمان ، یہ راستوں والی زمین اور موجیں مارنے والے سمندر اللہ تعالیٰ باریک بین اور خبردار کے وجود پہ دلیل نہیں بن سکتے ۔ امام مالکؒ سے ہارون رشید نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے وجود پر کیا دلیل ہے ؟ آپ نے فرمایا زبانوں کا اختلاف ، آوازوں کا جدا جدا ہونا ، نغموں کا الگ ہونا ثابت کرتا ہے کہ خدا ہے امام ابو حنیفہؒ سے یہی سوال ہوا تو آپ جواب دیتے ہیں " چھوڑو میں ابھی کسی سوچ میں ہوں ۔ لوگوں نے مجھ سے کہا ہے کہ ایک بڑی کشتی جس میں طرح طرح کی تجارتی چیزیں ہیں اور نہ کوئی اس کا نگہبان ہے نہ چلانے والا باوجود اس کے وہ برابر چلی آ رہی ہے اور بڑی بڑی موجوں کو خود بخود چیرتی گذر جاتی ہے ۔ ٹھہرنے کی جگہ پر ٹھہر جاتی ہے چلنے کی جگہ پر چلتی رہتی ہے اور نہ کوئی ملاح ہے نہ منتظم ۔ سوال کرنے والے دہریوں نے کہا آپ کس سوچ میں پڑ گئے کوئی عقل مند ایسی بات کہہ سکتا ہے کہ اتنی بڑی کشتی اتنے بڑے نظام کے ساتھ تلاطم والے سمندر میں آئے جائے اور کوئی اس کو چلانے والا نہ ہو ؟ آپ نے فرمایا افسوس تمہاری عقلوں پر ایک کشتی تو بغیر چلانے والے کے نہ چل سکے لیکن یہ ساری دنیا آسمان و زمین کی سب چیزیں ٹھیک اپنے کام پر لگی رہیں اور ان کا مالک ، حاکم اور خالق کوئی نہ ہو ؟ جو جواب سن کر وہ لوگ ہکے بکے ہو گئے اور حق معلوم کر کے مسلمان ہو گئے ۔ امام شافعیؒ سے بھی یہی سوال ہوا تو آپ نے جواب دیا کہ شہتوت کے پتے ایک ہی ذائقہ کے ہیں ریشم کا کیڑا کھا کر ریشم پیدا کرتا ہے ، شہد کی مکھی اسے کھا کر شہد پیدا کرتی ہے ، ہرن کھا کر مشک پیدا کرتا ہے ۔

گائے بکریاں کھا کر دودھ پیدا کرتی ہیں۔ کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ ایک پتے میں یہ مختلف خواص پیدا کرنے والا کوئی ہے۔ اور اُسی کو ہم اللہ تعالیٰ مانتے ہیں۔ وہی موجد اور وہی صانع ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ وجود باری تعالیٰ کے ثبوت میں فرماتے ہیں۔ "سنو ایک نہایت مضبوط قلعہ جس میں کوئی دروازہ اور راستہ نہیں بلکہ سوراخ بھی نہیں باہر سے چاندی کی طرح چمک رہا ہے اور اندر سے سونے کی طرح دمک رہا ہے۔ اچانک اس کی دیوار گرتی ہے اور اندر سے ایک جاندار۔ آنکھوں، کانوں والا، خوبصورت شکل و صورت والا چلتا پھرتا جانور نکل آتا ہے۔ کہو اس بند اور محفوظ مکان میں اسے پیدا کرنے والا کوئی ہے یا نہیں۔" مطلب آپ کا یہ تھا کہ انڈے کو دیکھو چاروں طرف سے مکمل بند پھر اس میں سے پروردگار خالق یکتا ایک جاندار بچہ پیدا کر دیتا ہے۔ یہی دلیل ہے خدا کے وجود اور اس کی توحید پر۔ ابو نواس سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تو جواب دیا آسمان سے بارش کا برسنا اور اس سے زمین کے اندر سے درختوں کا پیدا ہونا اور ان پر ہری بھری شاخوں پر خوش ذائقہ میووں کا لگنا ہی اللہ تعالیٰ کے وجود اور وحدانیت کی دلیل ہے۔ اسی ایک توحید کے لئے رب العزت نے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار روحانیت کے سب سے بڑے علمبردار پیغمبر مبعوث فرمائے اور اسی توحید باری کو ایک ماننے۔ ایک جاننے اور ایک سمجھنے کے لئے اللہ کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اسم اعظم سے تعبیر فرمایا۔"

اسی ایک توحید کے مکمل تسلیم کرنے پر ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی ضمانت دی۔ اور یہی توحید تقاضا کرتی ہے کہ اللہ کے احکامات کو ماننے میں ہر رکاوٹ کو سراب سمجھا جائے اور صرف اللہ ہی کی پیروی کی جائے۔

مسند احمد کی ایک لمبی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مطلب کچھ یوں ہے کہ اللہ پاک نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو پانچ چیزوں کا حکم دیا کہ ان پر عمل کرو اور بنی اسرائیل کو بھی ان پر عمل کرنے کا حکم دو۔ ایک یہ کہ ایک اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنے مال سے غلام خریدے اور غلام کام کاج کی مزدوری اپنے مالک کی بجائے کسی اور کو دے دے۔ تو کیا آپ میں سے کوئی ایسا غلام پسند کرتا ہے۔ اسی طرح تمہارا پیدا کرنے والا۔ روزی دینے والا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ بھی پسند نہیں کرتا تم اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ دوسری یہ کہ نماز ادا کرو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی طرف اس وقت تک متوجہ رہتے ہیں جب تک کہ وہ نماز میں اِدھر اُدھر التفات نہ کرے جب تم نماز میں ہو تو خبردار اِدھر اُدھر التفات نہ کرو۔ تیسرا حکم یہ ہے۔ روزے رکھا کرو۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کے پاس مشک سے بھری ہوئی تھیلی جس سے اس کے تمام ساتھیوں کے دماغ معطر رہیں۔ یاد رکھو روزے دار کے منہ کی خوشبو اللہ تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسند ہے چوتھا حکم یہ ہے کہ صدقہ دیتے رہا کرو اس کی مثال ایسے ہے جیسے کسی شخص کو دشمنوں نے قید کر لیا ہو اور گردن کے ساتھ ہاتھ باندھ کر گردن مارنے کے لئے لے چلے ہوں تو وہ کہے مجھ سے فدیہ لے لو اور مجھے چھوڑ دو چنانچہ جو کچھ تھا کم یا زیادہ دے دلا کر اپنی جان چھڑا لی۔ پانچواں یہ کہ اللہ پاک کے نام کا ذکر کثرت سے کیا کرو اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کے پیچھے تیزی کے ساتھ دشمن دوڑتا ہوا آتا ہے۔ اور وہ ایک مضبوط قلعہ میں گھس جاتا ہے اور وہاں امن و امان پا لیتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ذکر کے وقت شیطان سے بچاؤ ہو جاتا ہے۔ یہ فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب میں بھی تمہیں پانچ باتوں کا حکم کرتا ہوں جن کا حکم جناب باری تعالیٰ نے مجھے دیا ہے۔ مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑے رہنا یعنی اللہ اور اس کے رسول اور مسلمان حاکم وقت کے احکام سننا۔ ماننا، ہجرت کرنا اور جہاد کرنا۔ جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر نکل گیا اس نے اسلام کے پٹے کو اپنے گلے سے اتار پھینکا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ رجوع کرے۔ جو شخص جاہلیت کی پکار پکارے وہ جہنم کا کوڑا کرکٹ ہے لوگوں نے کہا حضور! اگرچہ وہ روزے دار اور نمازی ہو؟ فرمایا اگرچہ نماز پڑھتا ہو اور روزے رکھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو مسلمانوں کو ان کے ان ناموں کے ساتھ پکارتے رہو۔ جو خود خدا تعالیٰ نے رکھے ہیں مسلمین، مومنین اور عباد اللہ۔

پہلی قسط

ابھرتے ڈوبتے سورج

حضرت مولانا محمد اکرم

۱۵ مئی - ابوظہبی

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ محمدٍ وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین اما بعد فاعوذ باللہِ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

کل صبح گھر سے نکلا تو طبیعت بہت بوجھل تھی۔ انسان بہرحال انسان ہے۔ اللہ کی ایک عاجز مخلوق! ضروریات احساسات اور احتیاجات میں جکڑا ہوا۔ اس عالم آب و گل میں ایک طرف یہی ضرورتیں اس کے راستے کی بہت بڑی دیوار ہیں۔ اور دوسری طرف رب جلیل اور اس کا حسن بے مثال و لازوال جس کی اطاعت اور اس کے احکام پر عمل کے ساتھ انکی اشاعت اس کا فریضہ ہے۔ در اصل یہ محض فریضہ ہی نہیں انسان کی ابدی اور دائمی زندگی کی تمام ضرورتوں کو پورا کرنے کا ذریعہ ہے مگر انسان اپنی کوتاہ بینی اور کم نظری نیز فطری کمزوری کے سبب فوری اور دنیاوی ضرورتوں کی تکمیل میں الجھ جاتا ہے اور اسے فراموش کر بیٹھتا ہے۔ ضرورت انسان کی اپنی ہے مگر اللہ کا کرم دیکھیں کہ اس نے فریضہ قرار دے دیا۔ اس کے باوجود کم خوش نصیب ایسے ہوتے ہیں جو اس کو نبھانے کی سعی کرتے ہیں اگر محض انسان ضرورت ہی کی سطح پر رکھا جاتا تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد شاید ہی کوئی انسان اس کی تکمیل میں کوشاں نظر آتا۔

انسان بھی عجیب شے ہے سوچتا ہے ذرا فراغت ہو گی تو کر لوں گا بھئی کس بات سے فراغت، اگر ضروریاتِ زندگی اور مسائل حیات سے فراغت مراد ہے تو کبھی نہ ہوگی کہ جب تک زندگی ہے اس کی ضروریات بھی رہیں گی لہٰذا زندگی کی اس ہماہمی سے ہی ان فرائض کے لیے وقت نکالنا ہو گا۔ اس کے ساتھ ربِ جلیل کا وعدہ ہے کہ تمہاری ضرورتوں کو پورا کرنا یہ میرا کام ہے کہ میں تمہارا رب ہوں اور میری طلب میں میری اطاعت کے لیے کوشاں رہنا یہ تمہاری زندگی کا مقصد ہے بات کہنے میں تو آسان سی ہے مگر کرتے وقت اندازہ ہوتا ہے کہ کام کس قدر مشکل ہے۔

رمضان المبارک سے تین روز پہلے گھر لوٹا تھا جنوری

میں حرمین الشریفین کی زیارت سے سرفراز ہوئے تو وہاں سے کینیا (مشرقی افریقہ) چلا گیا پھر نیروبی سے ابوظہبی، دوبئی ہوتا ہوا کراچی اور اسلام آباد پہنچا چند روز گھر قیام کیا اور گلگت چلا گیا وہاں سے پلٹا تو ایک آدھ دن گھر ٹھہر کر گوجرانوالہ، لاہور اور وہاں سے جہاز پر بیٹھ کر کراچی جا اترا واپسی پر سکھر اور بنوں عاقل ہوتا ہوا فیصل آباد پہنچا وہاں سے گوجرہ، جھنگ ہوتا ہوا گھر آیا تو پشاور چلا گیا۔ اور یوں ۴ اپریل کی شام گھر پہنچا اور ۸ اپریل سے رمضان المبارک شروع ہو گیا۔ برکتوں اور رحمتوں کا مہینہ! اس کی برکات میں سے ایک بہت بڑی نعمت احباب کا اجتماع ہے جو دارالعرفان کی زینت بنتا ہے یکم رمضان سے ہی آمد شروع ہو جاتی ہے۔ اکیڈمی کے اساتذہ اور نونہال تو ہوتے ہی ہیں۔ یوں رونق بڑھنے لگتی ہے۔ حافظ غلام جیلانی صاحب نے تراویح میں قرآن سنانا شروع کیا ساتھ ہی اسرار التنزیل کی تیسری جلد تقریباً آدھی لکھنا باقی تھی وہ کام شروع کیا احباب کی آمد، ڈاک اور اس کے جوابات کے ساتھ صبح ۸ بجے سے دن ۲ بجے تک لکھنے کا معمول بنایا پھر بھی کبھی پچھلے پہر لکھنا پڑتا اور یوں رمضان المبارک کے دو عشروں میں ختم قرآن بھی مکمل ہوا اور تفسیر کی جلد بھی مکمل ہو گئی اب اعتکاف کے دن آ پہنچے اور تقریباً چار سو ساٹھ احباب سنت اعتکاف کے لیے پہنچ گئے۔ نفل کے لیے آنیجانیوالوں کو ملا کر آٹھ صد سے ایک ہزار کے لگ بھگ مہمان اللہ کے گھر کی رونق تھے۔ ذکر کے معمولات، بیان اور تعلیم و تعلم کے اوقات شب و روز پر چھا گئے، سبحان اللہ کیا بہار تھی کہ ذرہ ذرہ اور لمحہ لمحہ ذاکر تھا دنیا اور غم دنیا کا کہیں پتہ نہ تھا یوں عید کی خوشیوں پہ یہ رونق تمام ہوئی تو فصل کی کٹائی کا کام تھا۔ اکیڈمی میں کچھ اضافے کیے جا رہے ہیں ان کا جائزہ لینا تھا۔ کچھ کاروباری مسائل الجھے ہوئے تھے۔ ساتھ بچے بیمار ہو گئے بہر حال گھر کے کام کاج اور کاروباری ضرورتیں بڑے دو بچوں کے ذمہ کیں۔ فصل کسی حد تک سنبھال لی گئی تھی۔ کچھ کام باقی تھا درمیان میں ایک دن امریکہ کا ویزا لینے میں بسر ہو گیا اور یوں خود کو کھینچ تان کر ۱۴ مئی صبح منارہ سے نکلا، عبدالقدیر کا پاؤں ٹخنے پر سے جل گیا تھا اس کی وجہ سے اسے بخار بھی تھا بہر حال تمام کاموں کے لیے رب جلیل سے دعا کی اور چل پڑا۔ سیتھی گیا وہاں بچی بیمار تھی اور دوسرے اہل خاندان سے ملاقات بھی مقصود تھی۔ گھر پہنچا تو پتہ چلا اہلیہ کو رات دل کا دورہ پڑا ہے اٹھنے کے قابل نہیں۔ موٹر سے اتر کر اندر گیا تو عجیب حال تھا۔ کمزور، نقاہت سے چور، چہرہ زرد، چارپائی پر پڑی تھی بچے پریشان پھر رہے تھے۔ تیس برس کا زندگی کا ساتھ، ہر مشکل و آسانی میں اکٹھے بسر ہوئی۔ بڑے بچے سے کہا انہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر جاؤ کہ میں بھی ایک بارگاہ کا غلام ہوں انہیں کے حکم کی تعمیل میں پابہ رکاب ہوں۔ شاید میرے لیے کوئی چھٹی بھی نہیں اور نہ مانگنے کی جرأت ہے لہذا سب کو اللہ کریم کے ہی سپرد کرتا ہوں یوں ۷ بج گئے جبکہ مجھے ۹ بجے اسلام آباد ہوائی اڈے پہ ہونا چاہیے تھا۔ بڑے سے چھوٹا بچہ ڈرائیو کر رہا تھا۔ بحمد اللہ ہم ۹ بجے پنڈی پہنچ گئے بہت سے احباب ملاقات کے انتظار میں تھے۔ صرف سلام دعا ہی کر سکے، ایرپورٹ پہنچے اور ۱۲ بجے بشیر جہاں میر صاحب اور میں کراچی اتر رہے تھے۔ ڈاکٹر عظمت، کرنل قیوم اور کرنل مطلوب صاحب کو لاہور سے آنا تھا۔ وہ ۶ بجے پہنچے۔ کچھ دیر کراچی آرام کر لیا، احباب جمع ہو گئے ملاقات کر لی، عصر کے بعد ذکر کی سعادت نصیب ہو گئی۔ پھر اگلے سفر کے لیے تیار، ایئرپورٹ پر پتہ چلا کہ عظمت کا دوبئی کا ویزہ نہیں لگا انہیں کراچی رکنا پڑے گا۔ لہٰذا باقی ہم چاروں وہاں سے ۸½ بجے شام اڑے اور پاکستانی وقت کے مطابق ساڑھے دس بجے جبکہ دوبئی کے وقت کے مطابق ساڑھے ۹ بجے دوبئی پہنچ گئے۔ مغرب کراچی ائرپورٹ پر پڑھی تھی۔ عشاء دوبئی مکان پر آ کر ادا کی۔ ہوائی اڈے پہ بہت سے ساتھی منتظر تھے الحمد للہ ملاقات نصیب ہوئی رات دوبئی ٹھہرے صبح ناشتے کے بعد وہاں سے کار کے ذریعے روانہ ہو کر ابوظبی آ گئے۔ پھر واپس دوبئی جائیں گے۔ وہاں سے برطانیہ اور غالباً برطانیہ سے ڈنمارک اور ناروے وغیرہ ہو کر پھر لندن سے نیویارک اور کینیڈا جا کر واپس وطن روانہ ہوں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔ اب آج یہاں سے کچھ کچھ لکھنا شروع کیا ہے کسی خاص سفرنامے کی ضرورت تو محسوس نہیں کرتا۔ لکھنے کا بہت بڑا مقصد تو احباب کو ان ممالک

اے اولادِ آدم ہر نماز کے وقت مناسب اور اچھا لباس پہنو اور کھاؤ پیو۔ مگر ضائع نہ کرو کہ اللہ ضائع کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

سے روشناس کرانا ہے جہاں جہاں سے اثنائے سفر گزر ہوگا یا ٹھہریں گے۔ نیز ان باتوں کا دوسرے احباب تک پہنچانا بھی مقصود ہے جو ان اجتماعات میں بیان ہوں گی کہ افادیت عالمگیر ہے اور تمام زمانوں کے لیے ہے۔ اللہ کریم سے توفیق کا طلبگار ہوں۔

۱۶ر مئی

دوبئی کا ہوائی اڈہ بہت خوبصورت ہے بلند و بالا عمارات رات کی روشنیوں کی چکا چوند اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے لوگ۔ باہر نکلو تو موٹروں کی قطاریں، کھلی اور روشن سڑکیں، لوگوں کے سکون کا پتہ دیتی ہیں۔ نہ چوری کا ڈر نہ جھگڑے کا خوف۔ ہر کوئی اپنے کام سے مطلب رکھتا ہے۔ دراصل عرب کا خطہ آج بھی دنیا کا پر امن ترین خطہ ہے۔ بہرحال سب سے پہلے عظمت کے بارے پوچھا پتہ چلا کہ بہت دیر تک درخواست کر چکے ہیں مگر صاف انکار کر دیا گیا ہے وجہ؟ آخر چند روز کے وزٹ ویزے سے انکار چہ معنی دارد؟ تو پتہ چلا کہ پیشہ کی جگہ ایگریکلچرسٹ لکھا تھا۔ جس کا ترجمہ یہاں مزارع کرتے ہیں اور مراد وہ مزدور لیتے ہیں جو سڑکوں پر لگے پودوں کو کھاد پانی دیتے ہیں۔ لہٰذا ایسے کم آمدنی کے فرد کو سیر کی کیا سوجھی۔ یقیناً نوکری یا مزدوری کی تلاش میں ہوگا۔ یہاں ہمارے ملک کی طرح کی زراعت کا تو کوئی تصور نہیں لہٰذا انکار کر دیا اور جو کچھ گزرتے ہیں اسے سمجھانے پہ اصرار کرتے ہیں۔ سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے بادشاہت کا اثر نیچے تک ہے چلو بھئی اب انہیں فون کر دو کہ ۱۹ کو اسی جہاز میں آ جائیں جو لندن جا رہا ہوگا۔ اور ہم دوبئی سے اس میں سوار ہو جائیں گے۔

دن ابو ظہبی کے مرکز ذکر میں بسر ہوا مغرب کے بعد بیان تھا جس میں سورۃ اعراف کی آیات ۳۱ تا ۳۳ کا مفہوم بیان ہوا جو اس طرح شروع ہوتی ہیں کہ اے اولاد آدم ہر نماز کے وقت مناسب اور اچھا لباس پہنو اور کھاؤ پیو مگر ضائع نہ کرو کہ اللہ ضائع کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔ تمام ممالک جملہ اقوام اور سب زمانوں کے لیے ہے۔ لہٰذا خطاب بھی اولادِ آدم کو فرمایا اور ارشاد ایسا کہ ہر نماز کے لیے لباس کم از کم معقول ضرور ہو یعنی آدمیت کی ضرورت عبادت ہے۔ اور لباس محض آرائش و زیبائش کیلئے نہیں بلکہ انسان کی وہ زینت ہے جو اسے بارگاہ الوہیت کی حاضری میں اختیار کرنی چاہیئے۔ اس سے اس بات کی اصلاح از خود ہو گئی کہ حیثیت سے بڑھ کر اور محض لوگوں پر اپنی برتری جتانے کے لیے لباس نہ بنایا جائے بلکہ اس سے بھی اللہ کی رضا مقصود ہو جب یہ بات ہے تو یقیناً مرد و عورت کا لباس شرعی تقاضے بھی پورے کرنے والا ہوگا نیز ہر آدمی کی اپنی حیثیت کے مطابق ہوگا کہ امیر بخل کر کے سستا لباس نہ پہنے اور غریب محض اظہار شوکت کے لیے ادھار نہ لیتا پھرے۔ بلکہ سب کی نگاہ اس ذات کو راضی کرنے پہ لگی ہو جو سب کی مالک ہے نیز فرمایا کھاؤ پیو کہ سب نعمتیں تمہارے ہی لیے ہیں مگر اسراف نہ کرو یعنی کھانے پینے میں ان قواعد کی پابندی کرو جو مالک نے ارشاد فرمائے ہیں۔ تاکہ پتہ چلتا رہے کہ ان نعمتوں کے مالک تم نہیں ہو بلکہ وہ ہستی ہے جس کی ارشاد کردہ حدود کے تم پابند ہو۔ اور تم بھی ایک مالک کے بندے ہو۔ اور اس قدر اطاعت شعار کہ کھانے پینے میں بھی اس کے حکم سے باہر قدم نہیں رکھتے دنیا بھر کے معاشی نظاموں میں یہ اسلام کی برتری ہے کہ خرچ پہ بھی اللہ کا حکم نافذ کرتا ہے۔ جب ان حدود سے زیادہ خرچ ہی نہیں کرنا تو کمائی کے ناجائز ذرائع استعمال کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی یقیناً ایسا انسان اس قانون کے مطابق کمائے گا بھی جو اللہ نے دیا ہے۔ اور اگر خرچ میں بھی حد سے زیادہ بڑھے گا تو اللہ ایسے لوگوں کو پسند نہیں فرماتے گویا وہ معیار انسانیت و آدمیت ہی سے گر جائے گا پھر فرمایا جو اشیاء انسان کی زینت کے لیے اللہ نے حلال کر دی ہیں دوسرے کسی کی طاقت نہیں کہ ان سے منع کر سکے اور پاکیزہ کھانوں سے بھی کوئی نہیں روک سکتا۔ لہٰذا مختلف

مذاہب باطلہ کا رد ہو گا۔ جن میں غیر فطری امور یعنی محض بھوکا ننگا رہنا حصول کمال کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے جس سے جہلا متاثر ہوتے ہیں۔ اور یہ کمال بتاتے ہیں کہ فلاں بہت بڑا بزرگ ہے۔ ساری عمر جوتا نہیں پہنا یا کپڑے پھٹے ہوئے پہنتا ہے یا کئی کئی روز بھوکا رہتا ہے فرمایا کمال انسانیت ہے کہ بھرپور خوبصورت اور معتدل زندگی گزاری جائے۔

اعمال میں ہوں یا دلی کیفیات میں۔ بڑے کاموں اور بری سوچ تک سے منع فرمایا ہے اور گناہ سے بھی۔
ایسے کام جن میں اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو جیا ہے مخلوق پر زد نہ پڑے گناہ کہلاتے ہیں اور بغاوت و سرکشی سے روکا ہے وہ امور جن میں انسانی حقوق بھی متاثر ہوتے ہوں نہ صرف گناہ بلکہ بغاوت و سرکشی ہیں جو ہر حال میں ناحق ہے اور

کمال انسانیت یہ ہے کہ بھرپور، خوبصورت اور معتدل زندگی گزاری جائے جس میں ایک ترتیب ایک معیار اور ایک حُسن جھلکتا ہو اور یہ سب کچھ ربِ جلیل کو راضی رکھنے کیلئے کیا جائے اور واقعی یہی معیار کمال بھی ہے کہ لباس اچھا ہو مگر تفاخر کے لیے نہ ہو، پیٹ بھرا ہو مگر حلال سے بازو میں قوت ہو مگر زیادتی نہ کرے۔

جس میں ایک ترتیب ایک معیار اور ایک حُسن جھلکتا ہو اور یہ سب کچھ رب جلیل کو راضی رکھنے کے لیے کیا جائے اور واقعی یہی معیار کمال بھی ہے کہ لباس اچھا ہو مگر تفاخر کے لیے نہ ہو۔ پیٹ بھرا ہوا ہو حلال سے، بازو میں قوت ہو مگر زیادتی نہ کرے۔ بلکہ فرمایا یہ نعمتیں دنیا میں بھی ایماندار بندوں کیلئے ہیں کفار اور بے دین تو ان کے طفیل کھاتے ہیں۔ ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ جب کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا قیامت قائم ہو جائے گی۔ یعنی یہ رنگا رنگ نعمتوں کی بہار مومنوں کے دم سے ہے ورنہ کفار کو اس کی مہلت نہ دی جاتی اور یہ بھی ارشاد ہے کہ آخرت میں تو سب نعمتیں صرف مومنین کے لیے خاص کر دی جائیں گی حتیٰ کہ کافر کو ایک قطرہ پانی تک نصیب نہ ہو گا۔ لہٰذا حلال ذرائع سے رزق کمانا بھی عبادت ہے اور اپنی حیثیت کے مطابق اچھا لباس معقول کھانا پینا اچھی گاڑی یا خوبصورت گھر اظہار تشکر کے ذرائع ہیں۔ اور فرمایا ہم تو ایسے ہی کھول کر بات ارشاد فرما دیتے ہیں۔ اگر انسان اپنی سمجھ ہی ضائع نہ کر چکا ہو تو بات کوئی مشکل نہیں۔ نیز یہ باتیں کوئی مقام نہیں رکھتیں کہ کھایا پیا کچھ نہیں یا جوتا نہیں پہنا بلکہ آپؐ فرما دیجیے اللہ نے فحش باتوں سے منع فرمایا ہے خواہ بظاہر کرو یا چھپ کر، ظاہری

اس بات سے منع فرمایا ہے کہ اپنی امیدیں اللہ کے سوا کسی اور سے باندھو یعنی شرک نہ کرو۔ اور شرک کی اصل یہ ہے کہ انسان اپنی امیدوں کا مرکز ہی اللہ کے سوا کسی دوسرے کو بنا لے اس سے بچنا کمال ہے اور محض رسومات کو مذہب کے طور پر قبول نہ کر لو کہ یہ تو اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے اور بہت بڑی جہالت ہے۔ یعنی صاف ستھری زندگی جدوجہد سے بھرپور مگر شرعی حدود کے اندر اور رواجات سے بالاتر اللہ کے حکم کے مطابق بسر کرنا اسلام ہے۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق دے آمین۔ بیان تو ذرا مفصل تھا بہر حال خلاصہ یہی تھا۔ عشا کے بعد ذکر کی مجلس ہوئی کھانا کھایا اور ذرا پیدل چلنے کے لیے ساحل سمندر پر چلے گئے ابوظہبی کا شہر سمندر کے کنارے بلکہ آدھا نیا شہر تو سمندر سے زمین چھین کر بنایا گیا ہے۔ عجمان اور راس الخیمہ سے بڑی بڑی کشتیوں پر بہت بڑے بڑے پتھر لا کر سمندر پاٹ دیا گیا اور اوپر عمارتیں بازار اور سڑکیں خوبصورتی کے ساتھ سجا دی گئی ہیں۔ ایک ایک پتھر یہاں پہنچتے پہنچتے پانچ صد درہم کا پڑتا ہے یعنی پچیس سو پاکستانی روپے کا۔ اور کنارہ سمندر کو بہت خوبصورتی سے سجایا گیا ہے۔ روشنیوں کی چکا چوند میں رنگ برنگے پھولوں کی بہار، فوارے اور پارک میلوں

میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک سڑک کئی میل اندر تک سمندر میں لے جاتی ہے۔ جس پر رات کو بہت رونق ہوتی ہے۔ روشن کھلی صاف دو رویہ سڑک جس کے دونوں جانب گہرا سمندر جھاگ اڑاتا رہتا ہے۔ جس میں چھوٹی سے لیکر شارک تک مچھلیاں موجود اور تہ میں قیمتی موتی اور پتھر ہیں۔ جو یہاں کے مقامی بدو نکالتے رہتے ہیں۔ جو بغیر آکسیجن سلنڈر کے آدھ گھنٹہ تک زیر آب رہ سکتے ہیں۔ ہم گاڑی کھڑی کر کے تقریباً تین میل تک اس پر پیدل چلتے گئے۔ باتوں باتوں میں رمضان المبارک کا تذکرہ آیا تو پوچھ لیا کہ یہاں روزہ خور سے کیا سلوک کرتے ہیں۔ پتہ چلا کہ رمضان کا پورا مہینہ اگر کوئی بھی کھاتا پیتا نظر آئے تو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا جاتا ہے جہاں باقی سارا رمضان اسے حکماً روزے رکھنا پڑتے ہیں۔ عید کے روز سر مونڈ کر دس دُرّم کرایہ بھی دیتے ہیں چلو اب گھر جاؤ اور اس میں مسلمان، ہندو سکھ سب کے ساتھ ایک ہی برتاؤ کیا جاتا ہے۔ لہٰذا کوئی بھی احترام رمضان میں خلل ڈالنے کی جرأت نہیں کرتا۔

ویسے جب کوئی سکھ پکڑا جاتا ہو گا تو واقعی بڑا مزا آتا ہو گا کہ بیچارہ روزے بھی رکھے اور سر بھی منڈوائے۔ یوں گپ شپ کرتے رات ساڑھے بارہ بجے واپس پہنچے اور آرام کیا علی الصبح ذکر، اور آج کا دن خواتین کا اجتماع تھا جو اب تمام ہو چکا ہے۔ اب انشاءاللہ مغرب کو بیان اور ذکر ہو گا

۷ ارمئی - دوبئی -

احباب نے کچھ لوگوں کے اعتراضات کا حل چاہا۔ جو اس نوعیت کے تھے کہ ذکر ایسے درست ہے۔ اور کیسے نہیں کرنا چاہیئے۔ تو میں نے مناسب خیال کیا کہ پہلے یہ تعین کر لی جائے کہ تصوف ہے کیا پھر اس کی ضرورت و اہمیت کا اندازہ بھی آسانی سے کیا جا سکے گا۔ اور اس کے طریقے اور سلیقے پر بھی بات ہو سکے گی خطبہ مسنونہ کے بعد بات یہاں سے شروع ہوئی کہ ہر فن اور ہر کمال کے ماہرین ہوتے ہیں۔ اور لوگ ان سے سیکھتے اور حاصل کرتے ہیں۔ ان میں سب سے قیمتی فن تعمیرِ انسانیت ہے کہ کمال انسانیت کو حاصل کیا جائے یہ فن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ہے اور انہی کی ذوات مقدسہ اس فن کی ماہر اور امام ہوتی ہے۔ اسلیئے کہ کمال انسانیت اللہ کی معرفت سے نصیب ہوتا ہے۔ یعنی جس کسی کو جس قدر معرفت باری نصیب ہے اتنا ہی وہ کامل ہے۔ حتیٰ کہ کائنات بسیط میں یہ نعمت عظمیٰ سب سے بڑھ کر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حاصل ہے تو آپ کو انسان کامل بھی کہا جاتا ہے جو حق ہے۔ دوسرے علوم و فنون اور ان کے ماہرین میں اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ تمام فنون کا تعلق انسانی عقل سے ہوتا ہے لہٰذا ماہرین فن کی بات انسانی دماغ تک پہنچا پاتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ دل بھی ساتھ ہو۔ مثلاً کسی نے کوئی بھی چیز بنانا سیکھ لی بناتا بھی رہے گا مگر ضروری نہیں کہ دل سے پسند بھی کرتا ہو۔ مگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جو فن سکھاتے ہیں اس کا تعلق ہی دل سے ہے اور جب دل ہی

اور شرک اصل یہ ہے کہ انسان اپنی امیدوں کا مرکز ہی اللہ کے سوا کسی دوسرے کو بنا لے اس سے بچنا کمال ہے۔ اور محض رسومات کو مذہب کے طور پر قبول نہ کر لو کہ یہ تو اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے اور بہت بڑی جہالت ہے۔

کل مغرب کا اجتماع بھی بارونق تھا کہ صبح تو ابوظہبی سے روانگی تھی۔ احباب زیادہ سے زیادہ جمع تھے۔ اور نئے لوگ بھی تھے۔ پہلے بیان ہوا۔ جو تقریباً صرف ایک سوال کا جواب تھا کہ "تصوف کیا ہے" اس کی ضرورت یوں پیش آئی کہ چند

فدا ہو جاتا ہے یا ایک خاص کیفیت کو اپنا لیتا ہے تو دماغ لامحالہ اس کی اطاعت کرتا ہے۔ لہٰذا انبیاء صرف تھیوری پہ ہی بحث نہیں فرماتے بلکہ دلی کیفیات عطا فرماتے ہیں اور یہ نبوت کے فرائض میں سے ہے فرمایا۔ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ

وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ :۔ یعنی دعوت الی اللہ پھر جو بھی قبول کرے اس کا تزکیہ اس کے دل کی پاکیزگی اور اس کے بعد کتاب و حکمت کی تعلیم ۔ یہ تزکیہ کیسے اور کتنی مدت میں فرماتے ہیں ۔ یہ ایک لمحے کی بات ہے کہ جب ایمان نصیب ہوا اور پھر بارگاہ نبوت کی حاضری کی سعادت نصیب ہوگی ۔ تو وہ لمحہ جس میں اس کی نگاہ نبیؐ کے وجود عالی پہ یا آپؐ کی نگاہ اس پر پڑ گئی وہی لمحہ اسے تزکیہ کے درجہ کمال پہ لے گیا اتنی بلندی پہ کہ وہ صحابیت سے سرفراز ہوا ۔ جو نبوت کے بعد انسانیت کے کمالات میں آخری مقام ہے اب جس خلوص سے وہ تعلیمات نبوت پہ عمل کرتا ہے دوسرے کسی کے بس کی بات نہیں جیسے ایک حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ میرے صحابی نے اگر مٹھی بھر جو اللہ کی راہ میں خرچ کئے تو بعد میں آنے والا احد کے برابر سونا بھی خرچ کرے اس کے ثواب کو نہیں پا سکتا ظاہر ہے کہ صورت ظاہری میں تو بعد میں آنے والے نے بہت ہی زیادہ خرچ کیا مگر دل کی وہ کیفیت اور خلوص جو صحابی کو حاصل تھا کہاں سے لائیگا اور اجر کی بنیاد تو وہی کیفیت ہے ۔ یہاں سے اندازہ ہوتا ہے کہ جو لوگ صحابہ کرامؓ پہ اعتراض کر کے اپنی علمیت کا اظہار چاہتے ہیں درحقیقت مقام صحابیت کی عظمت کو نگاہ میں نہیں رکھتے ۔ اور یہ نعمت جب تک نبوت باقی ہے تب تک باقی رہنی چاہیئے ۔ لہٰذا نبی کے بعد صحابی میں یہ شان موجود کہ اسکی صحبت پانے والا تابعیؒ اور پھر تابعی سے تبع تابعی بنا ۔ یہ ہے تزکیہ اور اس کے بعد علم کتاب و حکمت اور علم کے بعد عمل کہ جاننا تو عمل کے لیے ہی شرط ہے ۔ ورنہ اس کا حاصل اور فائدہ کیا اور دین کے علم کی بنیاد تزکیہ پر ہے اگر تزکیہ نصیب نہ ہو تو مشاہدہ یہ ہے کہ دین کا علم بھی محض حصول دنیا کا ایک سبب ہی رہ جاتا ہے ۔ لہٰذا اسی تزکیہ کا نام تصوف ہے آپ اسے ترجمہ کہہ لیں یا متبادل لفظ بہر حال مقصد دل کی صفائی ہے ۔ توجہ اور انوارات قلبی سے جو شیخ کے دل میں ہوتے ہیں اور وہ طالب کے دل میں القا کرتا ہے ۔ اور رفتہ رفتہ وہ بھی روشن ہونے لگتا ہے یہ فن تصوف کہلاتا ہے ۔ چونکہ مل کر مجلس میں یہ دولت لی اور دی جاتی ہے تو مجلس میں ذکر الٰہی کا جو کہ اس کا باعث بھی ہے اور اس کا حاصل بھی ۔ اہتمام ہوتا ہے ذکر اسم ذات کی تاکید کتاب میں اور اس پہ عمل سنت میں موجود ہے ۔ نیز اس کی پہچان بھی یہی ہے کہ اگر دل کو روشنی اور برکات صحبت نصیب ہوں تو علوم شریعت کی نہ صرف سمجھ آنے لگتی ہے ان پر عمل کرنے کو جی چاہتا ہے اور گناہ سے بے رغبتی اور پھر نفرت ہونے لگتی ہے ۔ یعنی یہ ساری نعمت شریعت ہی کو سمجھنے اور خلوص کے ساتھ اس پہ عمل کرنے کی سعادت حاصل کرنے کے لیے کی جاتی ہے ۔ لہٰذا خود اس کام میں خلاف شریعت عمل کیسے ہو سکتا ہے اور اگر کوئی واقعی خلاف شریعت کام کرتا ہے تو پھر وہ تصوف کا نام استعمال کر رہا ہے کام کوئی اور اختیار کر رکھا ہے ۔ اس پس منظر پہ نگاہ رکھتے ہوئے انسان خود اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ کیا شئے ہے اور اسکی ضرورت کس قدر ہے ۔ یہ بیان کا خلاصہ تھا پھر آرام کیا لاہور فون کیا تھا بچے آئے ہوئے تھے ان کا پتہ تو چلا ملاقات نہ ہو سکی کہ کہیں باہر گئے ہوئے تھے ۔ بہر حال گھر کی خیریت معلوم کی اور صبح ذکر اور نماز کے بعد ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر دوبئی کو چل پڑے ۔ میرا خیال تھا کہ میں نے تو بارہا ابوظہبی کو دیکھا ہے بھلا نئی چیز کیا ہوگی ۔ مگر یہاں تو ہر بار عجیب تبدیلیاں نظر آتی ہیں ۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بادشاہت عام

مگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جو فن سکھاتے ہیں اسکا تعلق ہی دل سے ہے اور جب دل ہی فدا ہو جاتا ہے یا ایک خاص کیفیت کو اپنا لیتا ہے تو دماغ لامحالہ اسکی اطاعت کرتا ہے ۔ لہٰذا انبیاءؑ صرف تھیوری پر ہی بحث نہیں فرماتے بلکہ دلی کیفیات عطا فرماتے ہیں اور نبوت کے فرائض میں سے ہے ۔

آدمی کو اپنی خوشیوں میں شریک رکھتی ہے۔ سڑکیں، پل راستے پارک، بجلی، فون، ہسپتال اور کھانے پینے کی اشیاء غرض ایک ایک چیز خوبصورت، خالص آرام دہ اور آسانی سے دستیاب رکھنے کی پوری کوشش کی جاتی ہے۔ آپ ایک واقعہ سے اندازہ کرلیں کہ مجھے ایک عزیز نے بتایا چند سال پہلے انہوں نے حج کی تیاری کی۔ چھٹی آخری دنوں میں ملی، جدہ ائر پورٹ بند ہونے میں صرف چوبیس گھنٹے باقی تھے کہ یہ لوگ احرام باندھ کر ائر پورٹ پہنچے، سیٹیں کنفرم تھیں۔ دن بھر کے انتظار کے بعد فلائیٹ ملی تو ۸۰ آدمی سوار ہونے سے رہ گئے۔ جہاز چھوٹا تھا۔ اب مغرب ہو چکی تھی اور صبح ۱۲ بجے کے بعد جدہ ائرپورٹ بند ہو جانی تھی لہذا بہت پریشان ہوئے ٹریفک مینجر سے بات ہوتی رہی آخر گھنٹہ ڈیڑھ کے بعد اس نے بتایا کہ جہاز نہیں مل سکتا۔ یہ لوگ بہت پریشان کہ احرام کیسے کھول دیں۔ چھٹی لی روپے جمع کروا کر ٹکٹ لیے احرام باندھا اب کیسے نہ جائیں کوئی صورت بنتی نظر نہ آئی تو بس لیکر سب لوگ وزارتِ حج میں گئے کہ وزیر صاحب سے عرض کریں تو وہاں بھی عید کی چھٹیاں اور مزے کی بات یہ کہ وزیر موصوف شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ بہت پریشان ہوئے تو اس بدو چوکیدار نے جو اکیلا وزارت کی عمارت کا نگران تھا وجہ پوچھی اور سن کر کہنے لگا آپ لوگوں کے جو ٹکٹ ہیں ان پر لکھا ہے کہ آپ کو لے جائیں گے؟ کہا ہاں، تو کہنے لگا پیسے دے کر خریدے ہیں یا ویسے ہی ملے ہیں؟ کہا بھئی رقم دی ہے تو کہنے لگا یہ تو پولیس کیس ہے وزیر کا اس میں کیا کام۔ پولیس میں جاؤ۔ سب بس لیکر پولیس کے ڈیوٹی افسر کے پاس گئے جو ابھی A قسم کا تھا کہ یہاں پولیس کے رینک بھی فوج کی طرح ہیں لہذا لفٹیننٹ ہوتا ہے۔ جسے یہ "ملازم" کہتے ہیں۔ اس نے ساری بات سنی اور کہا میں اپنی جیپ پر جاتا ہوں تم لوگ گلف ائر کا جو چیئرمین یا ذمہ دار ہے اس کے بنگلے پر آجاؤ۔ وہ ایک انگریز تھا۔ جب یہ پہنچے تو وہ اس سے بات کر رہا تھا کہ ان لوگوں نے ٹکٹ خرید کر احرام باندھا۔ اب صبح ۱۲ بجے سے پہلے انہیں جدہ پہنچانا تمہاری ذمہ داری ہے۔ اگر نہ کر سکو تو میری ذمہ داری یہ ہے کہ فوج کو کہہ کر انہیں جہاز دلواؤں گا اور تمہیں مع بیوی بچوں کے جیل میں بند کر دوں گا۔ اور عید کی چھٹیوں کے بعد معاملہ قاضی کے سامنے جائے گا۔ اس نے کہا انہیں ائرپورٹ بھیجو۔ چنانچہ جب

دین کے علم کی بنیاد تزکیہ پر ہے اگر تزکیہ نصیب نہ ہو تو مشاہدہ یہ ہے کہ دین کا علم بھی محض حصول دنیا کا ایک سبب ہی رہ جاتا ہے۔ لہذا اسی تزکیہ کا نام تصوف ہے۔ آپ اسے ترجمہ کہہ لیں یا متبادل لفظ بہر حال مقصد دل کی صفائی ہے۔ توجہ اور انواراتِ قلبی سے جو شیخ کے دل میں ہوتے ہیں۔ اور وہ طالب کے دل میں القا کرتا ہے اور رفتہ رفتہ وہ بھی روشن ہونے لگتا ہے۔ یہ فن تصوف کہلاتا ہے چونکہ ملکہ مجلس میں یہ دولت لی اور دی جاتی ہے۔ تو مجلس میں ذکر الٰہی کا جو کہ اسکا باعث بھی ہے اور اسکا حاصل بھی اہتمام ہوتا ہے ذکر اسم ذات کی تاکید کتاب میں اور اس پر عمل سنت میں موجود ہے نیز اسکی پہچان بھی یہی ہے کہ اگر دل کو روشنی اور برکات صحبت نصیب ہوں تو علوم شریعت کی نہ صرف سمجھ آنے لگتی ہے ان پر عمل کرنے کو جی چاہتا ہے اور گناہ سے بے رغبتی اور پھر نفرت ہونے لگتی ہے یعنی یہ ساری محنت شریعت ہی کو سمجھنے اور خلوص کیساتھ اس پر عمل کرنیکی سعادت حاصل کرنے کے لیے کیجاتی ہے۔

یہ لوگ ہوائی اڈے پہنچے تو کینی والے کہیں اور (غالباً بحرین) جا نیوالی فلائیٹ خالی کرا چکے تھے۔ جو انہیں لیکر جدہ گئی اور خالی واپس آکر مسافروں کو لے کر روانہ ہوئی آپ اندازہ کریں کہ ریاست میں عام آدمی کا کتنا احترام ہے۔
یہی حال زندگی کی سب سہولتوں کا ہے۔ حتیٰ کہ سڑکیں بھی پودوں سے یوں لدی ہیں جیسے شاہی محل کی روشیں ہوں۔ بہر حال ہم دوبئی آگئے دو رات قیام ہے اور پھر لندن انشاء اللہ۔

۱۸ مئی ۔

کل شام مجلس ذکر کے بعد شہر سے باہر ایک نئی آبادی میں جس کا نام کچا صفا ہے بیان تھا۔ عشاء کی نماز وہاں جاکر ادا کی۔ اور تقریباً پونہ گھنٹہ بیان ہوا۔ غالباً ساتویں پارہ کی آخری اور آٹھویں پارہ کے شروع کی آیات تھیں۔ جن کا مفہوم اس طرح سے ہے کہ یہ لوگ بڑی زور دار قسمیں کھاتے ہیں۔

اب اگر ان کے سامنے فرشتے بھی اتر آئیں یا ان سے مردے باتیں کریں۔ یا کچھ بھی ہو جائے انہیں ایمان نصیب نہ ہو گا کہ جب تک اللہ چاہے یہ نہیں ہو سکتا۔ اور اللہ اسلئے نہیں چاہتے کہ انہوں نے اپنے دل سے خواہشات کی پیروی کا فیصلہ کر لیا ہے اور ایسے لوگ تو انبیاء کے دشمن اور خود شیطان بن جاتے ہیں انسانوں میں سے بھی اور جنوں میں سے بھی اور پھر ایک دوسرے کو فضول باتوں میں لگائے رکھتے ہیں۔ یہ میں نے زبانی نقل کرنے کی کوشش کی ہے جو مفہوم اب تک ذہن میں تھا اور لفظ بلفظ ترجمہ نہیں اس پہ بات اس انداز میں ہوئی کہ انسان با اختیار ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ دیکھتے ہیں تو بے اختیار ہے اپنی مرضی سے نہ جیتا ہے نہ مرتا۔ نہ حسن پہ اختیار ہے نہ رزق پہ نہ صحت پہ خود اپنے وجود کو بنانے یا قائم رکھنے پہ بس نہیں چلتا تو اختیار کیسا اور یہی بات جاننے کی ہے کہ اس موضوع پہ بڑی لمبی چوڑی بحثیں کی گئی ہیں۔ مگر ماحصل سب

انسان کو ایک کیفیت ایک استطاعت عطا ہوتی ہے اور وہ ہے معرفت باری کو حاصل کرنے کی سکت اور شعور اب ایک طرف دنیا اس کی لذات نفس اسکی خواہشات ابلیس اور اسکے مشورے اور دوسری طرف جمال باری اور قرب الٰہی ہے۔ ان دو راستوں میں فیصلہ انسان خود کرتا ہے۔ اللہ کریم اس پر مسلط نہیں فرماتے کہ اسے کس جانب بڑھنا ہے اگر اللہ کی راہ اختیار کرتا ہے تو دنیا کی لذات اور نعمتوں سے محروم نہیں ہوتا ہاں حاصل اور استعمال ایسے طریقے سے کرتا ہے جسکی اجازت اللہ دیں اور اگر دوسری راہ اپناتا ہے تو دین سے محروم ہو کر دنیا میں کھو جاتا ہے حتیٰ کہ نگاہ ٹیڑھی اور دل الٹ جاتا ہے۔ یعنی ظاہری اور باطنی ادراکات سے محروم ہو جاتا ہے۔

اور اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ اگر کوئی نشانی نازل ہو جائے جس سے ہماری تسلی ہو تو ایمان لے آئیں گے۔ تو آپ فرمایئے کہ اللہ قادر ہے ایسا کر سکتا ہے مگر یہ بات بھی ہے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ اس لیے کہ ان کے کردار اور باطنی فیصلے کے سبب ان کی آنکھیں اور دل اللہ نے پھیر دیئے ہیں۔

کا ایک ہی ہے کہ انسان کو ایک کیفیت ایک استطاعت عطا ہوئی ہے اور وہ ہے معرفت باری کو حاصل کرنے کی سکت اور شعور اب ایک طرف دنیا اس کی لذت نفس، اس کی خواہشات، ابلیس اور اس کے مشورے اور دوسری طرف جمال باری اور قرب الٰہی ہے ان دو راستوں میں

غیر مسلم جب تحقیق کر کے اور صداقت سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرتے ہیں تو کتنے باعمل ثابت ہوتے ہیں۔ ہم ایسا کیوں نہیں کر پاتے شاید ہم اپنے فیصلے سے نہیں بلکہ محض موروثی مسلمان ہیں۔

فیصلہ انسان خود کرتا ہے۔ اللہ کریم اس پر مسلط نہیں فرماتے کہ اسے کس جانب بڑھنا ہے۔ اگر اللہ کی راہ اختیار کرتا ہے تو دنیا کی لذت اور نعمتوں سے محروم نہیں ہوتا ہاں حاصل اور استعمال ایسے طریقے سے کرتا ہے جس کی اجازت اللہ دیں اور اگر دوسری راہ اپناتا ہے تو دین سے محروم ہو کر دنیا میں کھو جاتا ہے حتیٰ کہ نگاہ ٹیڑھی اور دل الٹ جاتا ہے۔ یعنی ظاہری اور باطنی ادراکات سے محروم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ بدنصیب آپؐ کی ذات گرامی جو بجائے خود ایک بہت بڑا معجزہ ہے کہ بچپن لڑکپن، جوانی غرضیکہ چالیس برس کی عمر ایسی بے مثال رکھتے ہیں جس کی نظیر لانا ممکن نہیں ایسی ہتی جس نے کسی انسان سے کچھ سیکھا نہ پڑھا مگر جب اعلان نبوت فرمایا تو علم کے تمام موضوعات پر ایسی جامع بات ارشاد فرمائی جس نے تمام سوال بھی حل کر دیئے۔ اور وہ حق بھی تھی، نہ صرف دنیا بلکہ موت مابعد الموت ذات وصفات باری اللہ کی پسند و ناپسند ہر موضوع پر کسی نئی خبر اور بات کی ضرورت باقی نہ رہی پھر آپؐ کا معجزہ اللہ کا کلام ہے۔ اور بیشمار حسی معجزات، یہ سب انہیں نظر کیوں نہیں آتا۔ اس لیے کہ انہوں نے اپنے فیصلے سے نفس اور خواہشات نفس کو پسند کر لیا لہٰذا دوسرا راستہ ہی کھو بیٹھے۔ اور یہی اختیار اتنا بڑا اختیار ہے جو تعمیر بدن سے لیکر حیات، موت اور مابعد الموت کو متاثر کرتا ہے۔ حتیٰ کہ قیامت کے روز بھی اعمالنامے تھما کر ارشاد ہو گا اپنی کتاب پڑھ لو اور اپنا فیصلہ دیکھ لو جس راہ کے حق میں تم نے فیصلہ کیا تھا آج اسی پر چلائے جاؤ گے تم خود ہی اپنے جج بھی ہو۔ اس نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مسلمان اسلام پر عمل کیوں نہیں کرتا جب وہ اپنی پسند سے اسلام قبول کرتا ہے تو عمل نہ کرنا کیسا؟ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ غیر مسلم جب تحقیق کر کے اور صداقت سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرتے ہیں تو کتنے باعمل ثابت ہوتے ہیں۔ ہم ایسا کیوں نہیں کر پاتے شاید ہم اپنے فیصلے سے نہیں بلکہ محض موروثی مسلمان ہیں۔ باپ دادا مسلمان تھے لہٰذا ہم بھی مسلمان ہیں۔ خدانخواستہ اگر وہ نہ ہوتے تو شاید ہم بھی مختلف ہوتے۔ ہم نے کبھی فکر کرنے کا تکلف نہیں کیا کہ آخر ہم کیوں مسلمان ہیں یہ موروثی سا قبول اسلام، ارکان اسلام کو بوجھ بنا دیتا ہے۔ اگر ہم دل سے فکر کر کے اور سوچ سمجھ کر طے کر لیں کہ واقعی ہماری زندگی کی راہ اسلام ہے تو یقیناً اپنے ہر عمل میں اس کو اختیار کرنے اور اپنانے کی سعی بھی کریں گے۔ اور یہی مقصود بھی ہے لہٰذا ایک، دوسرے سے الجھنے سے پہلے یہ فیصلہ کرنا ضروری ہے کہ مجھے کون سی راہ اپنانا ہے، اللہ تو اتنے کریم ہیں کہ فرمایا ہم چاہتے تو فوراً ان کی گردن مروڑ دیتے یہ کچھ بھی نہ کر سکتے مگر موت تک مہلت دی ہے اور نہ اتنا احسان فرمایا ہے کہ جب بھی یہ طے کر لو کہ مجھے اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت اختیار کرنا ہے میں نہ صرف گناہ بخش دوں گا بلکہ گناہوں کو نیکیوں میں بدل دوں گا لہٰذا ضروری بھی ہے اور یہی اسلام بھی ہے کہ ہم دل کی گہرائیوں سے اور خود اپنے فیصلے سے راہ حق قبول کریں۔ سب توفیق اللہ ہی کے پاس ہے۔

واپسی پہ کھانا کھایا اور آرام کیا۔ صبح خون دیا ہے کہ ٹیسٹ ہو جائے یہاں کے ہسپتالوں میں دنیا کی تمام سہولتیں مہیا ہیں۔ رات مولانا ابو طاہر محمد اسحٰق صاحب تشریف لائے تھے وہ ورلڈ اسلامک مشن کے نمائندے ہیں جو سعودی عرب کی طرف سے ہے، کراچی اور پھر مدینہ یونیورسٹی سے فارغ ہیں اور بہت سی اعلیٰ پائے کی کتب کے مصنف ہیں۔ انہوں نے شفقت فرمائی اور چائے کا حکم دیا۔ لہٰذا ان کے دولت خانے پہ حاضری دی اور علماء حضرات بھی تھے زیارت نصیب ہوئی ارشادات سنے اور چائے بھی پی۔ احباب شہر کی سیر کو گئے جو بہت خوبصورت اور دنیا کا واحد

شہر اور ملک ہے جس کی پورٹ واقعی فری ہے۔ دنیا کی ہر چیز یہاں ملتی ہے۔ اور شاید ہر جگہ سے مناسب قیمت پر بھی۔

۱۹ مئی

دوبئی، شارجہ اور عجمان یہ تین جڑواں شہر بھی ہیں اور ملک بھی اور تین حکومتیں بھی یہ سب خوبصورت اور صاف ستھرے شہر ہیں اور چلتے چلتے دوبئی ختم اور شارجہ شروع ہو جاتا ہے۔ ابوظہبی میں شہر کے باہر کی شاہراہوں کو اوور ہیڈ گزارا گیا ہے جہاں سڑکوں کا کراس آیا وہاں ایک، دوسری کے اوپر نیچے سے گزر جاتی ہیں اور میلوں تک یہ معلق سڑکیں بہت مہنگی بھی پڑتی ہے تو دوبئی والوں نے ٹنل بنائے یعنی ایک سڑک تو جارہی ہے اب

دن نگرانی کرتا ہے۔ ساری ساری رات روشنیاں جگمگاتی ہیں۔ مگر ان میں کوئی انسان نہیں بستا۔ اگرچہ مقامی لوگوں کو مفت الاٹ ہوئے اور ہمیشہ کے لیے ان کی ملکیت میں دے دیئے گئے ہیں مگر وہ لینا نہیں چاہتے اور صحرا میں اپنے خیموں میں خوش رہتے ہیں۔ یہاں بجلی پانی کا انتظام ایسا ہے کہ رات میں نے ایک دوست سے پوچھا کہ کبھی بجلی بند بھی ہوتی ہے تو انہوں نے کہا میں ساڑھے سات برس سے یہاں ہوں ان سالوں میں ایک سیکنڈ کے لیے بھی بند نہیں ہوئی۔ نہ پانی کا سسٹم کبھی متاثر ہوتا ہے۔

۱۹ مئی

P-I-A کی پرواز نمبر P.K.709 لکھ رہا تھا کہ

جب بھی یہ طے کرلو کہ مجھے اللہ اور اسکے رسولؐ کی اطاعت اختیار کرنا ہے میں نہ صرف گناہ بخش دوں گا بلکہ گناہوں کو نیکیوں میں بدل دوں گا۔

اسے کاٹنے والی سڑک ٹنل میں اس کے نیچے سے گزر گئی یہ ٹنل بیل دار چمکیلی اینٹوں اور جگمگ کرتی روشنیوں سے بہت بھلے لگتے ہیں۔ عام آدمی اگر قانون شکنی نہ کرے تو اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچتی۔ امن اور سکون ہے خوبصورت مساجد اور بہترین بازار، موٹریں اور صاف سڑکیں، غذا دوا ہر چیز خالص اور شہر کے گرد اگرد بھی پارک سجے ہیں۔ اب اگرچہ کسی حد تک تہذیب جدید بھی اپنے پاؤں پھیلا رہی ہے مگر پھر بھی امید کی جاسکتی ہے کہ یہ لوگ ہماری طرح اسکی لپیٹ میں نہیں آئیں گے۔ انشاء اللہ کہ عام بدوابھی تک ان چیزوں سے بہت دور بھاگتا ہے۔ بلکہ یہاں یہ بھی دیکھا ہے کہ وہ حکومت کی دی گئی سہولتوں سے بھی اکثر بے نیاز رہتے ہیں۔ ابوظہبی کے امیر نے کئی چھوٹے چھوٹے شہر بسائے ہیں۔ خوبصورت گھر، صاف ستھری پختہ گلیاں، بجلی، پانی ہر شے موجود حتیٰ کہ بجلی پانی اور صفائی کا عملہ رات

دوبئی سے روانگی کا وقت ہو گیا۔ چنانچہ جہاز میں بیٹھ گئے اب اسے دوبئی سے پرواز کیئے ہوئے تقریباً ساڑھے پانچ گھنٹے ہو چکے ہیں اور اب غالباً یورپی ممالک پر محو پرواز ہے۔ مزید اڑھائی گھنٹے لگا کر لندن پہنچے گا۔ میرا یہ وقت، کھانے، سونے کی اداکاری کرتے، ایک نہایت بے ذوق فلم دیکھنے چار پیئے اور عظمت سے باتوں میں گزرا جو آج کراچی سے اسی پرواز میں آرہا تھا اب سوچا کل شام کا بیان ہی لکھ دوں، سبحان اللہ باہر نگاہ گئی تو نیچے برف سے ڈھکی چوٹیاں اپنی بہار دکھا رہی ہیں غالباً روما کے سرحدی پہاڑ ہیں۔ جنہیں ہنی بال نے برف کے طوفانوں میں عبور کر لیا تھا اور اب آگے نسبتاً کم اونچے پہاڑ شاداب علاقہ، سڑکیں، دریا، نہریں اور شہر نظر نواز ہیں۔ ان میں ہر شے اللہ کی عظمت پر گواہ ہے۔ یہ بادلوں کے آوارہ ٹکڑے اسی کے حکم پر اپنے ہدف کی تلاش میں سرگرداں

ہیں اور جہاز ایک شہر کی مانند مخلوق کو اپنے اندر سمیٹے ہوا کے دوش پر محو سفر۔ مایمسکھن الا الرحمٰن۔ صدق اللہ العظیم:۔ لو اور تماشا دیکھو یہ عجیب بادل آ گئے ہیں نیچے سے اوپر کو دور تک اٹھتے آ رہے ہیں جیسے بیشمار نمونوں کے مینار ترتیب دیدیئے گئے ہوں۔ بہر حال آپ چلئے دوبئی سے ہی بات شروع کرتے ہیں۔ دوبئی کی آج کی اہم خبر یہ ہے کہ پاکستانی کرنسی کوئی نہیں لے رہا۔ تبدیل کرنا ممکن نہیں رہا۔ پچھلے کئی سالوں سے درہم کی قیمت ۴،۷۵ اور ۴،۸۰ کے درمیان تھی اب جو پاکستانی روپیہ گرنا شروع ہوا تو پانچ ساڑھے پانچ، پرسوں ۵،۶۰ تھا کل ۵،۷۵ پر چلا گیا۔ لہذا روپے تبدیل کرتے والوں نے اس کی خرید روک دی ہے۔ بہر حال اللہ مالک ہے قوموں پہ ایسے امراض حملہ آور ہوتے رہتے ہیں۔ اللہ ہمیں ہمت و توفیق دے کہ اپنا تعلق رب جلیل سے استوار کر لیں اور تمام مشکلات سے نکل جائیں۔ کل دن بھر مصروف ہی رہا۔ اور ملنے ملانے والوں نے آرام کی فرصت بھی نہ دی شام مرکز میں ذکر ہوا۔ اور کل کا بیان پاکستان ثقافتی مرکز دوبئی میں تھا اس قسم کا جو ثقافتی مرکز ابو ظہبی میں ہے وہ تو بہت ہی شاندار ہے۔ غالباً اس کے بارے پہلے لکھ بھی چکا ہوں یہاں ویسا شاندار تو نہیں مگر پھر بھی بہت اچھا ہے، کم از کم مل بیٹھنے اور بات کرنے کی جگہ تو ہے۔ ہم ۹ بجے رات عشاء پڑھ کر پہنچے تقریباً ساڑھے نو بجے بیان ہوا۔ مختصر سا بیان تھا چونکہ رمضان المبارک کے فوراً بعد کی مجلس تھی تو چاہا کہ جو تجزیہ المرشد میں لکھا ہے "کیا کھویا کیا پایا" اسی کا خلاصہ عرض کر دوں کہ المرشد کے قاری تو پڑھ ہی لیں گے مگر جو دوسرے حضرات ہیں ان تک بھی آواز پہنچ جائے۔ تو میرے خیال میں آپ تو مجھے پڑھتے ہیں جبھی تو یہ حروف پریشان آپ کی نظر کے سامنے ہیں۔ تو پھر دوبارہ لکھنے کی ضرورت ہی کیا۔ اچھا لکھوں، مگر کیوں؟ اچھا آپ کا خیال مبارک ہے کہ اس تسلسل میں پڑھنے کا اپنا لطف ہو گا تو ٹھیک ہے پڑھئے لکھ دیتا ہوں۔

بیان خطبہ مسنونہ کے بعد آیہ کریمہ یا ایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ہ سے شروع ہوا کہ موجودہ علمی اور سائنس کی ترقی کے دور میں بھی یہی بات سامنے آئی ہے کہ زمین اگرچہ ایک چھوٹا سا سیارہ ہے اور فضائے بسیط میں کئی سیارے اس سے کروڑوں گنا بڑے موجود ہیں مگر سب کی توجہ کا مرکز یہی ہے۔ اور ایک طرح سے یہ سب سے خدمت لے رہی ہے سورج ہو یا چاند ستارے ہوں یا سیارے اور یہ خود کیا ہے اللہ کی قدرت کا ایک عجیب مظہر کہ بیشمار قسم کی تخلیقات کو اپنے سینے پر سجا رکھا ہے۔ اور ہر آن ایک سین بدل رہا ہے۔ لاتعداد نظارے اس کی گود سے ظہور پذیر ہو رہے ہیں اور بے شمار اس کے اندر فنا کا جام پیتے ہیں خود اس کا تجزیہ کیا جائے تو ٹوٹتے ٹوٹتے آخر ذرے کی وہ باریک ترین حیثیت سامنے آتی ہے جسے وہ نہیں بنایا جا سکتا وہ ایٹم کہلاتی ہے۔ یہ اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ ہزاروں ایٹم قلم کے نب کی نوک پر جمع ہو سکتے ہیں۔ خود اس ایٹم کے اندر ایک جہان شمسی قائم ہے اور مثبت و منفی قوت اپنا کام کر رہی ہے زمین انہی ایٹموں کا مجموعہ ہے ایک بہت بڑا ذخیرہ۔ آپ نے ایٹم کا پھٹنا اور اس کا تجربہ تو پڑھا ہو گا۔ ہیروشیما پہ دیکھا بھی گیا تھا۔ جب یہ سارے ایٹم پھٹنے لگیں گے یقیناً پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑ جائیں گے۔ اور سمندر بھاپ بن جائیں گے۔ شاید یہی

زمین اگرچہ ایک چھوٹا سا سیارہ ہے اور فضائے لبیط میں کئی سیارے اس سے کروڑوں گنا بڑے موجود ہیں مگر سب کی توجہ کا مرکز یہی ہے اور ایک طرح سے یہ سب سے خدمت لے رہی ہے۔ سورج ہو یا چاند ستارے ہوں یا سیارے۔

جب یہ سارے ایٹم پھٹنے لگیں گے یقیناً پہاڑ روئی کے گالوں کیطرح اڑ جائیں گے اور سمندر بھاپ بن جائیں گے، شاید یہی قیام قیامت کی گھڑی ہوگی جب صورِ اسرافیل کی آواز ان ایٹموں کا فیوز بن جائیگی تو گویا یہ خطرناک ترین بارود کا ڈھیر ہے، مگر کمال قدرت کا یہ ملاحظہ ہو کہ انہی ایٹموں کو جوڑ کر جمادات کی صورت عطا کر دی ان سے اعلیٰ مخلوق نباتات ہے جو انہی ایٹموں کے ذرا دوسرے انداز میں جمع ہونے کا نام ہے۔ یہ تخلیق پہلے سے اسقدر افضل ہے کہ نباتات جمادات سے خدمت لیتے ہیں۔ اس سے اوپر حیوانات کا درجہ ہے یہ اپنے سے نیچے والوں سے خدمت لیتے ہیں اور ان کے اوپر انسان یعنی آدم علیہ السلام کا مقام ہے۔ یہ وہ مخلوق ہے جو سب سے خدمت لیتی ہے یوں نیچے کی ساری مخلوق کا مقصد تخلیق ہی درجہ بہ درجہ اور مختلف صورتوں میں انسان کی خدمت ٹھہرا۔

قیام قیامت کی گھڑی ہوگی جب صور اسرافیل کی آواز ان ایٹموں کا فیوز بن جائے گی۔ تو گویا یہ خطرناک ترین بارود کا ڈھیر ہے مگر کمال قدرت کا یہ ملاحظہ ہو کہ انہیں ایٹموں کو جوڑ کر جمادات کی صورت عطا کر دی کہیں پتھر، کہیں ریت کہیں پہاڑ اور وادیاں پھر ایسا قادر کہ پتھروں کے اندر ایک خاص ترتیب سے جوڑے تو ہیرے بن گئے، سونا چاندی وجود میں آئے۔ اور خوش رنگ بیش قیمت جواہر بنے یہ جملہ اشیاء جمادات کہلاتی ہیں۔ گویا جمادات پورے نظام شمسی سے خدمت لے کر اپنا وجود پاتی ہیں اور برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ ان سے اعلیٰ مخلوق نباتات ہے جو انہیں ایٹموں کے ذرا دوسرے انداز میں جمع ہونے کا نام ہے درخت ان کے تنے پھول اور پتے پھل سبزیاں پودے یہ مخملیں گھاس کے قطعے یہ سب انہی ایٹموں کے مختلف نسبتوں اور مختلف طریقوں سے جڑنے کا نام ہے۔ یہ تخلیق پہلی سے اس قدر افضل ہے کہ نباتات جمادات سے خدمت لیتے ہیں اور مختلف صورتوں میں انہیں اپنی غذا بناتے ہیں اس سے اوپر حیوانات کا درجہ ہے جن میں چلنا پھرنا توالد و تناسل بھوک و پیاس گھر اور ٹھکانے کی خواہش کے ساتھ محبت و نفرت کے جذبات بھی ہیں۔ یہ اپنے سے نیچے والوں سے خدمت لیتے ہیں اور ان کے اوپر انسان یعنی اولاد آدم علیہ السلام کا مقام ہے۔ یہ وہ مخلوق ہے جو سب سے خدمت لیتی ہے حتیٰ کہ حیوانات کو کھاتی ہے ان کی کھال کھینچ کر جوتا بناتی ہے کسی پہ سواری کرتی ہے تو کسی سے چوکیداری کا کام لیتی ہے حتیٰ کہ جانور اگر آدمی کے کام نہ آئے اور مر جائے تو کہا جاتا ہے ضائع ہو گیا مگر انسان ذبح کر کے کھالے تو گویا اس نے اپنی حیات کا مقصد پالیا۔ تو نیچے کی ساری مخلوق کا مقصدِ تخلیق ہی درجہ بدرجہ اور مختلف صورتوں میں انسان کی خدمت ٹھہرا۔ مغربی مفکرین نے تو انسان کو بھی حیوانوں میں ہی شامل کیا ہے اور اسے حیوان ناطق یعنی ایسا جانور جو بات کر سکتا ہے کہہ کر یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ صرف زبان کے فرق سے اسے ساری بلندی حاصل ہے، مگر فخرِ دو عالم نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بتایا کہ صرف یہ فرق نہیں ہے بلکہ اصل فرق یہ ہے کہ اس میں روح ہے جو ایک لطیفہ ربانی ہے اور براہ راست عالم امر سے ہے۔ عالم امر جو تخلیق کی حد سے اوپر اور صفات باری کی تجلیات کا عالم ہے چنانچہ اسکی تخلیق کا مقصد ہی یہ ہے کہ یہ اپنی روح کو نور ایمان سے زندہ رکھے عبادات سے روشن تر کرے۔ اور یوں اللہ کی معرفت کو حاصل کرنے کے عظیم ترین مرتبے پہ فائز ہو۔ اگر یہ ایسا نہ کر سکا تو نہ صرف اپنی تخلیق کا مقصد کھو بیٹھا بلکہ

اپنے سے نیچے کی ساری مخلوق سے خدمت لیتا رہا اور اپنا کام نہ کر کے جرم عظیم میں گرفتار ہوگا اور اللہ کے غضب کا شکار ہوگا۔ یہ کام انسان کے لیے کچھ مشکل نہ تھا۔ مگر ایک بات راستے کی دیوار بن گئی کہ اس کے وجود میں خواہشات پیدا ہوئیں تو یہ ان کی تکمیل کے لیے لپکا مگر ارشاد ہوا ذرا ٹھہر کر! تمام ضرور تیں پوری کرو۔ مگر اس طریقے سے جس طریقے سے میں اجازت دوں کہ تمہیں میری شان کا اندازہ بھی ہو۔ اور یہ پتہ بھی رہے کہ یہ سب کچھ بھی میرا ہے اور تم بھی میرے بندے ہو۔ اگرچہ انسانی نفس کسمسایا مگر یہ بھی چنداں دشوار نہ تھا کہ ابلیس لعین ظاہر ہوا اور انسان کی دشمنی پہ کمر بستہ ہوگیا۔ آپ کو علم ہے اس نے فرصت حیات طلب کی اور دعویٰ کیا کہ انسان کی خواہشات کو ایسی ہوا دوں گا کہ اپنے مالک کو بھول کر میرے پیچھے بھاگے گا۔ اللہ کریم نے فرمایا او نامراد تو جا کر زور لگا لے مگر یاد رکھ جو میرے بندے ہوں گے ان پر تیرا بس نہیں چلے گا جو تیرے ساتھ لگ جائیں گے وہ تیرے ساتھ جہنم میں پھینکے جائیں گے۔ یہ اللہ کے بندے کیسے ہوں گے اس کے لیے رب جلیل نے عبادات تسبیحات رکوع و سجود کی دولت بخشی۔ جس پر تجلیات برستی ہیں اور روح انسانی ان سے سیراب اور منور ہوتی چلی جاتی ہے۔ یوں اس کی اندرونی حسیں بیدار ہو کر جمال باری سے سیراب ہوتی ہیں۔ تو ایک زندگی کیا لاکھوں زندگیوں کی خواہشات بھی بلکہ خود زندگی بھی اس پہ نچھاور کر دیتا ہے۔ انہی عبادات میں ایک عظیم تحفہ رمضان ہے سال کے بارہ مہینوں میں یہ ایک مہینہ جو اس لیے فرض کیا گیا کہ تم تقویٰ حاصل کر سکو۔ یعنی اللہ سے وہ محبت جو تمہیں اس کے در سے اٹھنے نہ دے اور جو شیطان سے نفرت سکھا دے وہ جذبہ جو اللہ کی طلب پیدا کر دے اور جو ساری کوششوں کو اس کے قرب کے حصول پر لگا دے۔ اسمیں شیاطین کو قید کر دیا کہ تمہارا کام بند اس میں اپنا ذاتی کلام نازل فرمایا۔ اور کلام میں متکلم کی صفات کا اثر ہوتا ہے لہذا کلام باری نے جہان کو نور صفاتی سے بھر دیا۔ اس کے روزے کی برکت، کہ گزشتہ سب گناہ معاف کرنے کے لیے کافی۔ اس کے قیام کی سعادت کہ گناہوں کی معافی کا پروانہ، اس میں نفل کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ستر گنا زیادہ۔ اسکا پہلا عشرہ رحمت، دوسرا مغفرت اور تیسرا دوزخ سے رہائی کا ٹھہرا۔ غرض اس قدر برکات سمو دیں کہ شمار و بیان سے باہر صرف ایک رات لیلۃ القدر کو ہزار مہینوں کی عبادت سے بڑھا دیا۔ ملائکہ کو اور پاک ارواح کو نازل ہو کر قلوب پہ طاری کرنے کی اجازت دی۔ اور یوں رمضان کے کورس سے نکل کر انسان اس کندن کی طرح ہو گیا جو بھٹی سے نکلا ہو۔ پھر مقابلہ شروع ہوا شیطان مار کھاتا رہا اور انسان کمزور ہونے لگا کہ رمضان پھر آگیا تو یہ ہے اس کی ایک حیثیت۔ اگر ہم نے واقعی یہ نور، یہ قوت، یہ روشنی اور یہ عظمت حاصل کر لی ہے تو الحمد اللہ بہت کچھ پایا۔ اگر ایسا نہیں تو پھر رمضان کھو دیا۔ اس کا بھی علاج ہے کہ اللہ سے معافی طلب کریں۔ اور آئندہ کے رمضان میں بھرپور فائدہ اٹھانے کی خالص نیت، اللہ ہمت دے اور مہلت، تو فائدہ اٹھائیں اگر پہلے سفر حیات تمام ہو تو بھی اس کی رحمت نیت پہ ہی ثواب عطا کر دے۔ یہ تھا بیان خلاصہ اور اب شاید لندن قریب ہے کہ جہاز نیچا ہو رہا ہے اور مسافر سامان سنبھال رہے ہیں۔ لہذا اللہ حافظ۔

۲۰ مئی

جی تو آپ بھی منتظر ہیں کہ پھر کیا ہوا تو حضور ہوا یہ کہ میں تو لکھتا رہا۔ اور جہاز میاں لندن پہنچ چکے تھے۔ لکھنا چھوڑ غسلخانے کی طرف لپکا کہ گزشتہ تین گھنٹے سے سیٹ سے نہ اٹھا تھا حالانکہ درمیان میں جہاز پر چائے بھی ملی۔ جنگ عظیم دوم میں مندرہ جنکشن کی چائے مشہور تھی۔ بسیں اس زمانے میں بہت کم تھیں۔ سفر کا بڑا ذریعہ ریلوے ہی تھا۔ اور راولپنڈی سے ۲۰ میل پر مندرہ چکوال جنکشن تھا۔ ہمارے علاقہ کا تقریباً ۸۰ فیصد فوجی ملازم ۔۔ کا تھا لہذا مندرہ جنکشن بہت مشہور تھا۔ اور وہاں بہت بھیڑ ہوا کرتی تھی۔ اس بھیڑ میں پلیٹ فارم پہ چائے ملا کرتی تھی۔ جس کا مٹیالہ رنگ، اور اٹھتی ہوئی بھاپ اس کے چائے ہونے کی شہادت دیتی۔ لوگ لپکتے، پیتے ہونٹ بھی جلتے اور چند منٹوں بعد بڑے زوروں کا پیشاب بھی آتا مگر

مغربی مفکرین نے تو انسان کو بھی حیوانوں میں ہی شامل کیا ہے اور اسے حیوان ناطق یعنی ایسا جانور جو بات کر سکتا ہے کہہ کر یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ صرف زبان کے فرق سے اسے ساری بلندی حاصل ہے مگر فخرِ دو عالم نبی رحمت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے بتایا کہ صرف یہ فرق نہیں ہے۔ بلکہ اصل فرق یہ ہے کہ اسمیں روح ہے جو ایک لطیفہ ربانی ہے اور براہ راست عالم امر سے ہے عالم امر جو تخلیق کی حد سے اوپر اور صفاتِ باری کی تجلیات کا عالم ہے۔ چنانچہ اسکی تخلیق کا مقصد ہی یہ ہے کہ یہ اپنی روح کو نورِ ایمان سے زندہ کرے، عبادات سے روشن کرے اور یوں اللہ کی معرفت کو حاصل کرنے کے عظیم ترین مرتبے پر فائز ہو۔ اگر یہ ایسا نہ کر سکا تو نہ صرف اپنی تخلیق کا مقصد کھو بیٹھا بلکہ اپنے سے نیچے کی ساری مخلوق سے خدمت لیتا رہا اور اپنا کام نہ کر کے جرم عظیم میں گرفتار ہو گا اور اللہ کے غضب کا شکار ہو گا۔

ذائقہ کوئی نہ جان سکا۔ اور نہ کسی کو سمجھ آسکا۔ پھر یہ مزہ مدتوں بعد A-I-P میں ملا ہے۔ تو سینکڑوں پیسالی بار میں تازہ کر گیا کرنل مطلوب ساتھ بیٹھے تھے میں نے کہا مندرہ جنکشن اور جنگ عظیم دوم کا زمانہ یاد آگیا ہے وہ اگرچہ خود چائے بالکل نہیں پیتے مگر فتویٰ دیدیا کہ نہیں آپ کو اتفاقاً پہلے چائے مل گئی لہذا یہ اوپر یادرہ ہے پیچھے سے مزیدار ہو گی۔ چلو بھئی اس خیال سے مان لیا کہ جو نہیں پیتے وہ بھی آشنا ضرور ہوتے رہیں۔ کبھی پی کر ہی چھوڑی ہو گی لہذا پھر منگوائی وہ کیتلی کے نیچے کی تھی اور واقعی وہ کچھ اور شے تھی کہ ٹھنڈی ٹھنڈی تھی اور کوئی زیادہ فرق نہ تھا۔ اس سیلاب بلا سے گزر کر تین گھنٹے غسلخانے نہ جانا اور پھر میرے جیسے بیمار اور شوگر کے مارے ہوتے بڈھے جوان کا یہ صرف آپ حضرات کی محبت کا کرشمہ تھا اور اب جو قلم رکھا تو بمشکل بھاگ کر پہنچا۔ جب اندر سے کنڈی لگائی تو ایک نغمہ سا گونجا پیٹیاں باندھ لیں۔ سیٹیں سیدھی اور میزیں بند ہوں، سگریٹ بجھا دیں کہ ہم ہیتھرو کے ہوائی اڈے پر اتر رہے ہیں۔ غسلخانے میں کیا بیتی اور کون سی سیٹ مگر بہت جلدی جلدی فارغ ہونیکا تجربہ ضرور ہوا۔ بھاگ کر ہی سیٹ پہ پہنچا۔ یا لڑھک کر کہہ لیں کہ اترتے وقت بھی جہاز کا اگلا حصہ بلند اور پچھلا نیچا ہوتا ہے اور غسلخانے سے سیٹ پیچھے کو تھی ہاں ایک بات قابل ستائش ہے کہ A-I-P میں نہ وہ فحاشی تھی اور نہ عریانیت جس کا تجربہ برٹش ایئر ویز میں ہوا تھا۔ کھانے پینے کی بھی اگرچہ تہمت ہی لگائی مگر یہ اللہ کا شکر ہے کہ خنزیر اور شراب تو نہیں بٹی اور فلم بھی ان کمپنیوں میں بالکل ننگی ہوتی ہے۔ یہاں نہ صرف لوگوں کے لباس درست تھے بلکہ کہانی کا سر پیر بھی کسی کے ہاتھ نہ آیا۔ اور یہ خوبیاں ہمیں اس بات پر آمادہ کر گئیں کہ ممکن حد تک سفر A-I-P میں کیا جائے۔ بہرحال لندن پہنچ چکے تھے۔ اس ہوائی اڈے پر جہاز کے ساتھ ٹنل تو لگ جاتا ہے مگر امیگریشن تک پہنچنے کے لیے دو سے تین میل تک پیدل چل کر ٹانگیں ضرور سیدھی ہو جاتی ہیں۔ بہت بڑا ہوائی اڈہ ہے اور میلوں میں جہاز کھڑے ہیں، آنے جانے والے بھی مکھیوں کی طرح بھنبھنا رہے ہوتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے وہاں زیادہ دیر نہ لگی باہر آئے سامان سمیٹا اور کسٹم والوں کے سامنے سے گزر گئے پتہ نہیں یہ کیسے جان لیتے ہیں کہ ان کو پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ نہ انہوں نے سامان دیکھا نہ ہم نے دکھایا اور باہر چلے آئے۔ حالانکہ ایک نوجوان لڑکی کو پرچہ دے کر واپس کر دیا تھا۔ وہ انگریزی جانتی نہ تھی۔ مجھ سے پوچھا یہ مجھے واپس کیوں کر رہے ہیں۔ پرچہ دیکھا تو وہ ڈاکٹری معائنے کے لیے تھا کہ کہیں پیٹ کے اندر نہ کچھ چھپایا ہو۔ بہرحال باہر

آئے۔ حسب معمول لوگوں کی بھیڑ تھی کچھ کپڑوں میں کچھ نیم برہنہ کہ یہاں موسم ٹھنڈا ہوتا ہے۔ ورنہ ذرا دھوپ لگے تو لباس کو تو یہ سانپ کی کینچلی سمجھ کر کھینچ مارتے ہیں۔ احباب موٹریں لیے منتظر تھے۔ ہم روانہ ہوئے راستے میں چائے پی اور عصر ادا کی۔ اللہ کریم سے دعا کی کہ اس زمین پر پہنچایا ہے تو اپنی بات پہنچانے کی توفیق بھی ارزاں فرما اور اسے اپنے بندوں کی اصلاح کا سبب بنا۔ سڑکوں کا جال بچھا ہے اور ہمارے ہاں کے رن وے کی طرح ہیں۔ صاف خوبصورت جگہ جگہ رہنمائی کیلئے بورڈ لگے ہیں۔ رنگارنگ موٹریں فراٹے بھرتی ہیں۔ اور بہت بھیڑ ہوتی ہے۔ یہاں امریکہ کی طرح رفتار پر پابندی نہیں۔ جائے پی کہ جگہ جگہ سروسز کا علاقہ ہوتا ہے۔ جہاں روک کر اس کا پیٹ بھی بھرا جا سکتا ہے اور اپنا بھی۔ غرض سب سہولتیں میسر ہوتی ہیں۔ احباب سمیت اور مزیدار چٹنی تو گھر سے لائے تھے چائے وہاں سے لی اور یوں کچھ کھایا پیا۔ رنگارنگ لوگوں کو دیکھا اور شاید لوگوں نے ہمیں بہت دیکھا۔ ایک نیم برہنہ جوان لڑکی اپنے دوست کے ساتھ بیٹھی یوں منہ بھر کے کھا رہی تھی کہ دونوں گالیں ابھری ہوئی تھیں اور تیزی سے جگالی کرتی جاتی تھی۔ ہاتھ مزید ٹھونسے جا رہے تھے۔ اور آنکھیں ہم پر جمی تھیں کہ یہ کون سی مخلوق ہے؟ مجھے اپنی بھینس یاد آئی جس کا بچہ مر چکا ہے اور دودھ لینے کے لیے ونڈا کھلانا پڑتا ہے۔ تو وہ اسی طرح منہ کے دونوں اطراف کو بھر کر کھاتی ہے۔ بالٹی پہ ٹوٹ پڑتی ہے۔

بہرحال یہ سفر رات ۱۲ بجے تمام ہوا۔ جب ہم دارالعرفان بریڈفورڈ میں کھانے پہ بیٹھے تھے۔ دوبئی سے روانہ ہو کر ۱۸ گھنٹے کا مسلسل سفر اور عظمت کا کراچی سے بیس گھنٹے کا ہو چکا تھا۔ دو گھنٹے کے لیے سو گئے اب فجر ادا کی اور سوچا آپ سے باتیں ہو جائیں باقی انشاء اللہ پھر سہی۔

برطانیہ بذات خود تو ایک چھوٹا سا ملک ہے مگر اس قوم نے روئے زمین پر اپنی حکومت کے جھنڈے گاڑے۔ اگرچہ یہ سب کچھ ہیرا پھیری دھوکہ اور فریب کے ذریعے سے کیا گیا مگر یہ بات تو قطعی ہے کہ اس کے نتیجے میں دنیا بھر کی دولت یہاں جمع ہوئی۔ ہندوستان کشمیر اور مغل مسلمانوں کے خزانے مشرق وسطیٰ کا تیل اور افریقہ کے سونے کی کانیں، امریکہ کے تمام وسائل سب کچھ ہی تو ان کے قبضہ میں آ گیا۔ اور انہوں نے ہر جگہ سے جو ملا خوب لوٹا اور اپنے ملک کو بنایا۔ اب یہاں شہر اور گاؤں میں بڑا اور چھوٹا ہونے کا فرق تو ہے مگر سہولتوں میں کوئی فرق نہیں۔ سڑک بجلی ہسپتال، ٹیلیفون سکول وغیرہ یا مکانوں کی بناوٹ تک یا پانی گیس وغیرہ میں کوئی فرق نہیں رات کو چپہ چپہ روشن ہر طرف بجلی کا اور بجلی کی روشنی کا سیلاب آیا ہوا ہے۔ اب جوں جوں برطانیہ سمٹنے لگا اور آخر کار اپنے گھر پہ آ گیا تو ان سب باتوں کے باوجود اب مشکل میں ہے۔ اور عام آدمی کے لیے زندگی گزارنا مسئلہ بنتا جا رہا ہے آمدن کے اعتبار سے گرانی بہت زیادہ ہے۔ مثلاً زیادہ سے زیادہ تنخواہ ۲۰۰ پونڈ ہفتہ ہے۔ جو پاکستانی کرنسی کے اعتبار سے تقریباً ۷۰۰۰ روپے ہوتے ہیں۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ یہاں چیزیں بھی پونڈوں میں ملتی ہیں۔ مثلاً پٹرول پونے دو پونڈ گیلن ہے تو گویا ۵ روپے گیلن ہو گیا۔ اسی طرح کپڑا جوتے

اب یہ معاشرہ ٹوٹ پھوٹ رہا ہے قلبی ویرانی کا شکار تو پہلے سے تھے اب ذہنی اور مالی اجاڑ کا سامنا ہے۔ اگر اللہ مسلمانوں کو توفیق دے اور یہاں خلوص کیساتھ دین کی خدمت و اشاعت کیلئے محنت کی جائے تو خود اس قوم کا بھلا بھی اسی میں ہے کہ اپنے خالقِ حقیقی کے دامن لطیف میں پناہ لے اور مسلمانوں کی نجات اخروی کیساتھ دنیوی بھلائی کا مدار بھی اسی امر پہ ہے۔ اللہ کریم توفیق عطا کرنے والے ہیں۔

کھانا پینا سب کچھ پونڈوں میں خریدنا پڑے تو گزارہ بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ اس پہ مزید لعنت جنسی آزادی کی ہے جس میں پھر بڑی طاقت پونڈ ہی ہے۔ اور یوں اب یہ معاشرہ ٹوٹ پھوٹ رہا ہے۔ قلبی ویرانی کا شکار تو یہ پہلے سے تھے اب ذہنی اور مالی اجاڑ کا سامنا ہے۔ اگر اللہ مسلمانوں کو توفیق دے اور یہاں خلوص کے ساتھ دین کی خدمت و اشاعت کے لیے محنت کی جائے تو خود اس قوم کا بھلا بھی اسی میں ہے کہ اپنے خالق حقیقی کے دامن لطف میں پناہ لے۔ اور مسلمانوں کی نجات اخروی کے ساتھ دنیوی بھلائی کا مدار بھی اسی امر پہ ہے اللہ کریم توفیق عطا کرنے والے ہیں۔

ہمارا آج کا پروگرام عصر کے بعد نوٹنگھم میں ہے۔ مسجد میں بیان ہو گا۔ اور شام کا کھانا بھی مقصود میاں کے ساتھ جو کرنل مطلوب صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں اور مدت سے برطانیہ میں مقیم ہیں اور رات واپس یہاں دار العرفان بریڈ فورڈ۔ انشاء اللہ۔

جاری ہے

ضرورت رشتہ

ایک ساتھی جس کی ۲۹ برس عمر ہے۔ روحانی بیعت ہے۔ برسرروزگار ہے۔ رشتہ کا خواہشمند ہے۔ ارائیں برادری قابل ترجیح۔ جہیز کی کوئی قید نہیں۔ پابند صوم و صلوٰۃ ہو۔ بیوہ یا مطلقہ بغیر بچے کے قبول ہے۔ خواہشمند مندرجہ ذیل پتہ پر رجوع کریں۔

ناظم اعلیٰ: پوسٹ بکس نمبر ۵۱۲۶۔
ماڈل ٹاؤن لاہور

اِسرارُ التنزیل

	مجلّد آرٹ پیپر	غیر مجلّد سفید پیپر
جلد اوّل	روپے	روپے
جلد دوم	۱۰۰ روپے	۵۰ روپے
جلد سوم	روپے	روپے

تینوں جلدیں ایک ساتھ خریدنے پر رعایتی قیمت۔

مُجلّد ——— روپے

غیر مُجلّد ——— روپے

ملنے کا پتہ

اویسیہ کتب خانہ الوہاب مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور ۵۴۰۰۰

میری عظیم بہن

جولائی اور نومبر ۸۷ء کے المرشد میں "اسلام عورت سے کیا چاہتا ہے" کے عنوان سے مضمون تھا۔ نومبر کے شمارہ میں "تصویر کا دوسرا رخ" کسی بہن کا اس پر تبصرہ تھا کہ جولائی کا مضمون کسی مرد کا لکھا ہوا ہے اور مرد اس کے علاوہ اور لکھ بھی کیا سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک اور رخ کی ہلکی سی جھلکی قارئین المرشد کی نذر ہے۔

ہمارے شہر گوجرہ میں محمد اسحاق اور محمد ارشد دو کاروباری شراکت دار کپڑے کی ایک دکان کا کاروبار کرتے ہیں اسحاق عمر میں بڑے ہیں جبکہ ارشد کی عمر کم ہے۔ ایک روز ایک خاتون ان کی دکان پر کپڑا خریدنے آئی تو اسحاق سے کہنے لگی بھائی جان کیا آپ اور ارشد دونوں بھائی ہیں۔ دکاندار کے ہاں میں جواب کے بعد کہنے لگی۔ بھائی جان! عمر میں آپ بڑے ہیں لیکن داڑھی ارشد بھائی کی بڑی ہے۔ اسحاق نے کہا۔ بہن داڑھی تو میں نے ارشد سے بہت پہلے رکھی ہوئی ہے لیکن کبھی کبھی چھوٹی کر دا لیتا ہوں۔ اس لیے میں ان سے پیچھے رہ گیا۔

واقعہ تو خاص کوئی نہیں ہے لیکن میری اس بہن کا ایک سطری جواب آپ بھی سن لیں۔ کہنے لگی۔ بھائی جان سوچ لیں کل روز محشر نبی اکرم ؐ کی خدمت میں داڑھی چھوٹی کر کے کیسے حاضر ہوں گے۔ دکاندار اسحاق کا کہنا ہے کہ وہ یہ جواب سنکر سر سے پاؤں تک لرزا اٹھے۔

پھر اس بہن نے بتایا کہ انہوں نے خود اپنے میاں کو داڑھی رکھوائی ہے اور انشاء اللہ ان کے بچوں کے چہرے بھی داڑھی سے مزین ہوں گے۔ کیونکہ مرد کی نورانیت ہی داڑھی سے ہے۔

خاتون نے کپڑا خریدا، پیسے ادا کئے اور چلی گئی لیکن ہم سب کے لیے اور ان خواتین کے لیے جو شیونگ کریم کے اشتہار پر مرد کے رخسار پہ ہاتھ پھیر کو خود بھی اشتہار بنی ہوتی ہیں ایک لمحہ فکر اور کتنا بڑا سبق چھوڑ گئی۔

میں آج بھی اپنی اس بہن کی عظمت کو سلام کرتا ہوں۔

(ابن حسن گوجرہ۔

نظم

درد دل میں لذت کہاں سے آگئی
کون میرے دل کو روشن کر گیا

زخم جتنے تھے جدائی کے سبب
اک نظر سے سب کو آکر بھر گیا

زندگی ہے کیا؟ بسر کیسے کریں
چند لفظوں میں اشارہ کر گیا

کونسی منزل میری اور جا رہا ہوں کسطرف
حال اپنا جان کے میں ڈر گیا

اس سنہرے دور کی باتیں ہوئیں
جو بھی گزرا اک حقیقت دھر گیا

ایسا اندازِ بیاں کہ ہر کوئی،
سر جھکا کے آج اپنے گھر گیا

احمد نواز گوجرہ

حضرت جیؒ نمبر

'المرشد' عنقریب حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ایک یادگار نمبر شائع کر رہا ہے جس کیلئے آپ کی یادداشت اور تحریروں کی ضرورت ہے۔ آپ نے حضرت جیؒ کو دیکھا۔ اُن کی صحبت نصیب ہوئی، اُن کو سُنا۔ اُن سے سیکھا، اُن سے بہت کچھ حاصل کیا۔ اپنی یادداشت کو تحریر میں

○ لایئے ○

○ وہ حضرات جو حضرت جیؒ کے متعلق معلومات اور یادداشت کا ایک خزانہ سینے میں لیے پھرتے ہیں لیکن تحریر میں لانے سے گھبراتے ہیں۔ تو گھبرایئے مت۔ آپ جیسا بھی لکھ سکتے ہیں اپنی زبان میں لکھکر بھیجئے، ہم اُسے مناسب تحریر میں لے آئیں گے۔

○ اگر آپ لکھ نہیں سکتے تو کسی ایسے ساتھی کی مدد حاصل کریں کہ آپ زبانی بیان کریں اور وہ لکھتا جائے یا اپنی زبان میں یادداشت ریکارڈ کر کے کیسٹ ہمیں بھیج دیجئے۔

○ اگر آپکے پاس حضرت جیؒ کی کوئی تحریر ہو تو اسکی صاف فوٹو کاپی بھیجئے۔

○ اگر آپکے پاس حضرت جیؒ کی گفتگو یا بیان کے ریکارڈ کیسٹ ہوں اور آپ تحریر کر کے بھیج سکتے ہیں تو سبحان اللہ ورنہ کیسٹ کاپی بھیج دیجئے۔

آپ کے تعاون سے ھی ایک یادگار نمبر مکمل ھوسکتا ھے؛

مدیر ماہنامہ 'المرشد'

A/۲ ۱۵۲: گلبرگ ۳ لاھور

دُنیا آخرت کی کھیتی ہے

اشفاق احمد ناصرؔ

دنیا کے امتحان کی عجیب بات یہ ہے کہ ہر انسان مشکل پرچے کی تمنا رکھتا ہے۔ زیادہ مال ہو، زیادہ اختیار ہو تو ذمہ داریاں زیادہ ہوں گی۔ ترغیب و تحریص بھی زیادہ ہوگی، راہ راست سے گرنے کے امکانات بھی زیادہ ہوں گے حساب کتاب بھی لمبا اور سخت ہو گا۔

سفر مختصر ہو تو سامان ہلکا پھلکا ہونا چاہیئے۔ موت کے مسافر کو اونچی بلڈنگوں اور بنک بیلنسوں کی کیا ضرورت۔ بس دو وقت کی روٹی اور معمولی مکان کافی ہے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا۔

"دنیوی زندگی کی مثال اس مسافر کی سی ہے جو راستہ میں دوپہر کاٹنے کو کسی درخت کے سایہ میں ذرا دیر کو ٹھہر جائے"

؎ کب رخش فنا رقص کو ہو تیرا اشارہ
کیا جانیے کہاں رک جائے یہ عمر گریزاں

لاکھوں برس گزر چکے ہیں، لا انتہا مدت آگے ہے یہ بیچ کے چند برس جو ہم اس دنیا میں گزارتے ہیں یہ مسافر کے دوپہر بسر کرنے ہی کی طرح تو ہے۔

بہت لوگ موجودہ زندگی کو امتحان سمجھتے ہی نہیں۔ بھلا جو لڑکا امتحان میں بیٹھا ہو اور پرچہ چھوڑ کر پتنگوں کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیتا ہے۔ بچے بھی ایسا نہیں کرتے۔ لیکن ہم میں سے اکثر کا یہی حال ہے۔ سر اٹھائے بھاگ رہے ہیں۔ نہ دیکھتے ہیں سامنے گڑھا ہے یا غلاظت یا کانٹے دار تار ہے۔ پاؤں آلودہ، لباس تار تار۔ آپس میں دھکم پیل اور گالی گلوچ اور ہاتھ کیا آتا ہے۔ دو پیسے کی پتنگ اور وہ بھی کٹی ہوئی

؎ بازیچہ اطفال ہے دنیا میرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشہ میرے آگے

حرام کمائی غلاظت ہے اکثر لوگ اسی غلاظت کو جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ اکٹھی ہو جائے تو غلاظت کے اس ڈھیر پر کرسی بچھا کر بیٹھے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہیں اور دوسروں کو حقارت سے دیکھتے ہیں۔

کوئی بات نہیں چند دن اور پھر تجھے معلوم ہو جائے گا کہ تو نے سانپ بچھو اکٹھے کئے تھے یا لعل و جواہر۔ پھر پچھتائے گا، روئے گا۔ چیخے گا چلائے گا مگر اس وقت کا رونا کس کام کا۔ اعمال کی دنیا تو یہ ہے، عمل کرنے کا وقت تو آج ہے۔ اب تو انگارے جمع کر رہا ہے، کل تجھے پھول کیسے ملیں گے۔ جو آج بوئے گا وہی کل کاٹے گا۔ کانٹے بوئے گا تو کانٹے دیکھے گا اور اپنے آپ کو زخمی کرے گا۔ پھول بوئے گا تو ان کی خوشبو

سے لطف اندوز ہو گا اور اپنے من کو شانتی بخشے گا۔ پھل دار درخت لگائے گا تو پھل کھائے گا۔

عمر کے بوڑھے عقل کے بچے تو اپنا نفع نقصان بھی نہیں سمجھتا، گھاٹے کا سودا کرتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ تجھے نفع ملے گا۔ عمر کا قیمتی وقت ضائع کرتا ہے اور سمجھتا نہیں۔ اپنے دشمن شیطان کے ہتھے چڑھا ہوا ہے، وہ تجھے دن رات لمبی امیدوں میں الجھائے رکھتا ہے۔ ہوا و حرص کے چکر میں ڈالے رکھتا ہے تجھے ٹانگوں سے پکڑ کر اوندھے منہ غلاظتوں میں گھسیٹے پھرتا ہے۔ مگر تجھے سمجھ نہیں آنے دیتا۔ کہ وہ تیرے ساتھ کیا کر رہا ہے

یہ وقت ہے نمبر بنانے کا، زیادہ سے زیادہ نمبر بنا لے کل کام آئیں گے۔ نیکی کرنے کا چھوٹے سے چھوٹا موقع بھی نہ گنوا۔ محبت سے اللہ کا نام لینا، اللہ کے خوف سے تنہائی میں آبدیدہ ہونا قیمتی اعمال ہیں۔

اپنے آپ کو اہل جنت میں سے بنا لے۔ اگر اونچا درجہ نہیں تو کم درجے کی جنت کے لیے اپنے آپ کو اہل ثابت کر۔ یہی وقت ہے پھر قبر میں تو مانگے گا لیکن تجھے کچھ نہیں ملنا۔

"بے شک دنیا آخرت کی کھیتی ہے"

روزانہ ایک منٹ میں ہزار نیکیاں

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ (ایک مرتبہ) ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے۔ آپؐ نے فرمایا کیا تم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ہزار نیکیاں روزانہ کما لو؟ یہ سن کر حاضرینِ مجلس میں سے ایک سائل نے سوال کیا ہم سے کوئی شخص کیسے نیکیاں کمائے؟ آپ نے فرمایا سو مرتبہ سبحان اللہ کہہ لے تو اس کے لیے ہزار نیکیاں لکھ دی جائیں اور اس کے ہزار گناہ (صغیرہ) ختم کر دیئے جائیں گے۔ (مسلم)

ضروری اعلان

یہ شمارہ آپ کے پاس لاہور سے روانہ کیا گیا ہے۔ آئندہ "المرشد" کا جملہ نظام بمعہ ترسیل و اکاؤنٹنگ ادبیہ کتب خانہ الوہاب مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور کی تحویل میں دے دیا گیا ہے۔ چندہ کی رقم کے ڈرافٹ بحق ماہانہ "المرشد اکاؤنٹ نمبر P.L.S 2491 مسلم کمرشل بنک لمیٹڈ ماڈل ٹاؤن لاہور برانچ، منی آرڈر، مدیر کی ڈاک، شکایات آرا، وغیرہ مذکورہ کتب خانہ کے پتہ پر ہی روانہ فرمائیں۔

نیز اس شمارہ کے ساتھ ہی آپ کے ۱۴۰۹ھ کا چندہ بھی ختم ہو چکا ہے، تجدید کا فوری بندوبست فرمائیں۔

چن دا مکھڑا کہہ کے جہڑے سہرے تیرے گاندے نیں
ظالم نے اوہ جہڑے تینوں سورج نال ملاندے نیں
تیری خاطر پیدا کیتے سورج چن زمین آسمان
جے نہ آقاؐ پیدا ہندے نہ ایہہ ہندے دوجہان
میرے آقاؐ تیریاں صفتاں کردا مولا وچ قرآن
کوئی وی بندا کر نہیں سکدا آقاؐ تیری شان بیان
ایویں نور بشر دا ایہناں لوکاں جھگڑا پایا اے
ایہہ کہہ خان تیرا رتبہ گھٹا رب بنایا اے
تیرے حسن توں آقاؐ سارے فوری ناری تھلے نیں،
رب دی پوجا کردے جہڑے سب بچارے تھلے نیں
سارے نبی پیارے نے تے سب دی شان نرالی اے
تیرا رتبہ عالی سب توں تیری شان دوبالی اے
تیرے ورگا اگے نہ کوئی ہویا اے نہ ہونا اے
حشر دیہاڑے جناں ساری امت نوں بخشونا اے
ظلم دے آت ہنیریاں دے وچ شمع پیار دی بالی اے
کہہ دتا سی ساری دنیا ساڈے سر دا والی اے
پتھر مارن والیاں نوں وی سینے نال لوالیا اے
مٹھی دے وچ کنکریاں نوں کلمہ آپؐ پڑھایا اے
لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْم اللہ نے فرمایا اے
اے انسانا! سب توں چنگا تینوں ہیں بنایا اے

محمد مشتاق انجم

Ramadhan when they get fresh supply of energy and strength. In case we have been able to maintain such a state of mind then we would prove to be a great worry for Satan rather than his being a burden on us. If on the contrary, we failed to acquire that level of piety during the month of Ramadhan and fell prey to the whispers of the Devil(the moment it is freed) then we have really lost it. They Holy Prophet (SAW) is reported to have said, "The one who did not abstain from evils did not get anything out of fasting except starvation and thirst."**ALLAH** is not interested in exposing mankind to starvation and thirst but only looks for their sincere love towards Him.

In fact it was upto mankind to care for their basic spiritual needs and to realize the infinite blessings of **ALLAH** that were being showered on it during the holy month of Ramadhan. Viewing from this angle, if we found an improvement in our way of life and we have started enjoining virtues and forbidding evils, then we are on the right path. This is really satisfying position and we must be thankful to the Sublime Being and also be determined to maintain this standard.

GOD forbid! If this state of mind has not been maintained, even then one should not despair. There is still a way out. Such a person should repent of his past sins and resolve to abstain from evil in the future, he would certainly be rewarded by **ALLAH** for his good intentions. The Sublime Lord says,"...when a person makes up his mind to commit a sin and then abandons it, I certainly reward him for giving up the idea of evil doing."

Similarly, **ALLAH** says, "...a person who has a good intention which is to materialize later, I duly reward him for such good intentions. " This vividly reflects the generous way of the Sublime Lord. **GOD forbid!** If we have been lacking to acquire something during the holy month of Ramadhan, let us repent the past and sincerely resolve to attain the required level of piety during the next Ramadhan. Insha-**ALLAH**, you will get the reward of this good intention even if you say good-bye to this world before the next Ramadhan. As you know there are about 11 months before the next Ramadhan returns, no one knows whether he would be still alive because life is not guaranteed at all.

There were many beloved faces whom we have known over the years but were missing during the recent Ramadhan. So this is the process of life, and maybe the next time we ourselves will not be seen here. These are the facts of life which no one can deny ourselves and see our losses and gains and then make every sincere effort to make amends, with **ALLAH**'s blessings.

And let us pray before Him for His absolute guidance, long for availing the infinite blessings of the ensuing Ramadhan and seek refuge against all deceits of Satan. In the meantime, if you happen to leave this world, the Sublime Lord would certainly not disappoint you and would fully reward you for your intentions. This is the correct approach which we must adopt to make this re-appraisal of ourselves. May **ALLAH** bless us with the strength to acquire the maximum rewards of this holy month, and forgive us for our short-comings. **Ameen!**

Hadhrat Maulana Muhammad Akram

sins that he had committed during his lifetime."

Similarly, there is another Hadith in which the Holy Prophet is reported to have said:

"Whosoever stood with sincerity and firm belief in **ALLAH** for a single night's prayers during the holy month of Ramadhan, it is sufficient to obtain Divine Forgiveness for a whole previous life of sins."

According to scholars, a person who offers Isha & Fajar prayers in assembly in the mosque during the holy month of Ramadhan, falls under the purview of standing in prayer throughout the night. Besides this, if someone regularly offers Tahajjad, performs Zikr, recites the Holy Quran and performs other Supplemental prayers, he certainly adds to his Ibadat. He will get additional reward for such additional acts of worship. Because a person who performs a Supplemental prayer during the holy month of Ramadhan gets the reward equivalent to mandatory prayers. Yet the reward for the performance of mandatory prayers during this month is seventy times more than the normal reward. As a sequel to this discussion, it has been revealed that the blessings, as well as the rewards, of the holy month of Ramadhan have been so eminently exalted. According to the Holy Prophet (SAW), the first ten days of the holy month are full of blessings, the next ten are for seeking **ALLAH**'s forgiveness and the last ten days are exclusively meant for obtaining a certificate of Emancipation through unqualified obedience of **ALLAH**'s Commands.

Above all, there is a very blessed night in the last ten days of the holy month of Ramadhan called "Lailat ul-Qadar" the Night of Power. The reward of worship during this night is more than a thousand months - the exact quantum is at His discretion! The blessings of **ALLAH** do not end here but continue to increase. The most interesting aspect of this holy month is that all of the Satans are instantly imprisoned with the sighting of the Crescent of Ramadhan. This is solely to facilitate humanity to get rid of Satanic inspirations and also to help pave the way for acquiring piety and seek **ALLAH**'s forgiveness. According to an Hadith, there is an open invitation for Divine forgiveness during the course of Ramadhan. Whosoever seeks it, gets it due to His sheer kindness.

Now we as human beings make our own calculations, but without having a cross-check as to whether our prayers and all other acts of worship were absolutely according to **ALLAH**'s will or whether we have attained the required level of piety during the holy month of Ramadhan. In case we feel a pleasant change in our daily life and our minds are bent towards the Sublime Being, it means we have attained something with **ALLAH**'s blessings. And if the answer is not in the affirmative, then it means we have lost the holy month and failed to achieve the objective of life.

However, the one who attains the required level of piety during the month of Ramadhan is strong enough to fight with the Satanic forces and **ALLAH** will not let him fall. Although the Satans are set free at the end of Ramadhan but the true bondsmen acquire the capacity to keep on fighting with them until the next

Creator, **ALLAH** has blessed mankind with many gifts in the shape of Ibadat. The holy month of Ramadhan is one such gift.

The Holy Quran declares:

Oh! You who believe, Fasting is prescribed for you, even as it was prescribed for those before you so that you may attain piety and restraint. (2: 183)

The aim behind fasting is not only to limit or abstain from eating but to acquire piety, a nearness to **ALLAH**, the Almighty. Piety itself has a vast meaning in the Quranic sense and it reflects a particular state of mind. However, in the Urdu translation of the Book, the meaning of piety has been given as "Fear", yet fear has many aspects. A person should fear the loss of the connection or relationship with a beloved. Yet a lover is the one who completely submits to the beloved. So here we take piety as meaning the love for **ALLAH**. In fact piety is that state of the relationship with Him whereby the true bondsmen completely submit to His will and realize that He is in every sphere of life.

They do each and every thing strictly in accordance with the wishes of the Sublime beloved. They cannot even think or doing anything against the wishes of **ALLAH**.How to acquire piety during the holy month of Ramadhan is a question for which an answer is to be found nowhere else but in the Quran itself. **ALLAH** relates special favors done to the believers during the holy month of Ramadhan. The first one is that He revealed the Quran(the personal word of **ALLAH**). The revelation of the Quran itself is a great blessing of **ALLAH** whereby mankind can listen to the personal word of the Sublime Being.

Here in this gathering you are listening to me with a certain state of mind. In case my words are appealing, you would readily accept them, otherwise you would reject them. The speech of every speaker has a direct impact on the audience. Similarly, a human being is affected by the company he keeps. A good and pious company makes him pious while a bad company turns him into a scoundrel. If the words of a human being have such a dire effect, then what about the personal word of **ALLAH** the Almighty? Surely! The word of **ALLAH** carries the greatest force and has far reaching effects on mankind, it is certainly commensurate with the highest status of the Gracious Lord. Accordingly, **ALLAH** declares,"...that the blessings and favors of Ramadhan are due to My personal word," i.e., the Holy Quran, which again was revealed during the holy month of Rmadhan. A single day of sincere fasting in this month is enough to wash away the sins of a whole previous life. This vividly demonstrates the abounding rewards the Almighty has made available during this holy month.

The average life of a person is about 60 years or so. Suppose he gets trapped by the Devil and commits a number of sins but all of a sudden realizes his obligation to **ALLAH**, possibly at the behest of a pious man or due to good company. By the time the holy month of Ramadhan sets in and this person repents to all of his sins and starts fasting, it will be sufficient to wash away the sins of his past 60 years. According to a Hadith:

"Whosoever fasts with sincerity and fears **ALLAH**, then a single day of fasting would suffice, so as to wash away all of the

naturally and readily accepts virtue and develops an antagonism towards evil. To further explain, I will quote a Hadith-Qudsi, "**ALLAH** says, *'Divine Lights could neither be embraced by the earth nor by the sky - but a believer's heart could take them.*"

ALLAH created various things for various needs. One blossoms to fill the need of others and so on, thus a chain is established; one dies so that the other lives. This is the system that **ALLAH** has created where the human being remains the central figure of His creation. He sees the physical beauty of things around him, some of them are necessary for his body, health and intellect. He is chromed and affected by some of them. In other words, whatever he sees is available to him but only for his body. His soul being from the Realm of Command, he ought, to get some nourishment for his soul as well. This he can obtain by total submission to **ALLAH** and by total adherence to the *Sunnah* of Prophet Muhammad (SAW).

Thus his soul starts feeling and comprehending many things which remain far beyound the province of ordinary beings. Then he becomes somewhat of a special being, striving and striving further and further to the attainment of greater glory. At this stage the "Ibadat becomes pleasing to the body and starts unfolding its hidden wealth. One becomes immune to the evils and distractions of this world. His eyes are now on the Hereafter and feels an urge to meet his Creator. He starts biding for his time, but mind you, it is not an easy task

You are well aware that Satan got leave from **ALLAH** to misguide mankind. He pleaded, "*Allow me to live, give me time and freedom. you will see that mankind will follow me, he will bow his forehead at my door, he will not come to your door.*"

Here a question arises, that after creating such a unique creature, why did the Creator put it to a direct confrontation with Satan "the Outcast"? A poet has inferred a different meaning from such a confrontation in his own words:

"...putting someone on an empty raft on the high seas and warning him against getting wet!"

Although we do not agree with such an idea as Islam totally negates this sort of thinking. The Holy Quran categorically rules out the possibility of True Muslims being diverted from the Right Path in the face of Satanic tactics. The tall claims being made by the Devil in this regard are nothing but false. Satan, when put at large was told in clear terms by **ALLAH** that he would not be able to get the True Muslims off the track in spite of all of his devilish tactics. Anyone following the Satanic way of life will be sent to Hell together with the Devil himself.

We live in a world of means wherein **ALLAH** has made available the means of protection against everything . he has also provided the means of protection to his bondsmen against Satan. All Ibadat (the acts of worship to **ALLAH**) are the means of protection that the Almighty has bestowed upon mankind. Every prayer establishes a connection with the Creator and acquires abounding reward which shields a person against devilish tactics. It is in fact a Divine connection that has been activated through spiritual purification by all Messengers of **ALLAH** and the Prophet Muhammad (SAW). In order to further strengthen his relationship with the

and catalog. Suffice it to say, that its numbers reach into the millions of species inhabiting the Earth, the seas and the air.

Out of this animal life comes the most beautiful creation of **ALLAH** (SWT) "INSANIYAT" mankind. All things have been created for him. In fact, everything pressed into the service of mankind has attained the ultimate goal of its creation, provided this use is within the Divine limits. Mankind is authorized to use animals as food, their hair for clothing, and their skin for shoes etc. In this we realize that mankind, being superior to all of creation, has the mandatory right to take the service from all of the lower creation. **ALLAH** has ordained, *"The sun and the moon have been made subservient to you. It is He Who has created for you all that is in the earth."* Observing this system, that the inferior is in service to the superior, one is tempted to ask questions, mankind, after all, is also a creation. it has also been made by the same Creator.

As such there must be a purpose for its creation as well. **ALLAH** has revealed this purpose by saying, *"I created the jinn and human kind only that they might worship Me."* Mankind has been made so supreme that it is to avail these sources of all the creations in the universe. But its superiority lies in the total submission to its Creator. Not mere submission, but establishing some sort of approchement or connection with **ALLAH**, the Creator of all things, the absolute Master of the entire universe. But the question arises, how does one establish any relationship with ALLAH. It is easy to understand the relationship of mankind with animals, animal life with plant life and of plant life with minerals. But mankind being just a handful of clay, can hardly manage to cultivate any sort of relationship with **ALLAH**, the Creator of all things, since no one can either see Him, or picture Him.

It is far beyond the realm of any creation to have any idea of the Creator except what He Himself and His Prophet Muhammad (SAW) has said. The human being is not like any other animal, but the soul that is planted in him is subtle and is from the Realm of Divine Command, a manifestation of **ALLAH**. In order to understand this we may revert to the routine of our daily knowledge. One may imagine that it is like an integrated circuit, or microchip that is buried deep in the heart that cannot be seen with the physical eye. It lies dormant in the body as a ready vehicle for reaching an understanding and establishing a relationship with **ALLAH**, the Creator of all things. When we activate it by a certain process - the whole being is transformed, the soul which has its natural abode in Heaven leaps toward those empyrean heights and the body starts enjoying a unique ecstasy in bowing before **ALLAH**.

This happens only when the light comes directly to the *Lataaif* (subtle portions in the human body). As the Lataaif become clearer and fully charged, the relationship with **ALLAH** is strengthened and one feels correctly and righteously oriented with Him. It is at this stage that the heart of a believer, i.e., the subtle heart, receives the Divine Light, which while passing through the physical heart on their way to the subtle heart get mixed up with the blood. And when the blood charged with Divine Lights circulates into the physical body, *each part*

AN APPRAISAL OF THE MONTH OF RAMADHAN

Oh! You who believe, Fasting is prescribed for you, even as it was prescribed for those before you so that you may attain piety and restraint. (2: 183)

My dear brothers. With the blessings of **ALLAH** Almighty, the month of Ramadhan has just ended. It is quite evident that in addition to its many blessings, this month also causes the remembrance of **ALLAH** in many ways. You listen to the Fadhail of Ramadhan, read about it, and above all act in many ways. In todays brief meeting, **ALLAH** willing, we will carry out an appraisal to learn if we gained anything or lost something. It is a process to determine the rise or fall of an individual, which we accomplish in accordance with the Divine Instructions? But what is the main purpose and scope behind this? And can we cross check how far we have succeeded in our endeavors or fallen short of our target, due to any of our physical or spiritual failings, so as to make amends.

First of all, we shall have to understand *'Ibadat* (the acts of devotion to **ALLAH**) and their purpose. In this vast expanse of the universe, **ALLAH** (SWT) sent many Prophets and Messengers who helped mankind to understand, to the best of their intellectual capacity, the purpose and meaning of their being in this system. From this, it is evident that though the Earth is very small unit in this Solar System, yet it holds a unique position in the universe.

Whether the sun shines or there is moonlight or the stars rise and set after completing their course, the good Earth remains the focal point or the center of attraction. All of these do cause some effects. Some of them have been discovered while other still remain out of reach of human intellect. The Earth is composed of small elements, which in modern terminology, are called the atoms and which can't be split further, yet thousands of such atoms can rest on the tip of a pen. In spite of its utterly small size, it has a complete system of its own like the one we find in the Solar System. This is the beauty that **ALLAH** (SWT) has created and declared, *"No atom is out of Divine Authority"* This splash of color and pageantry that our eye beholds on this earth is the creation of **ALLAH** (SWT). These small atoms are collected in various forms to make and appear in different things. Some are lying as sand, while others are gathered as stones. Some are formed as coal and out of some coal we discover diamonds.

Similarly, some atoms form to make up the earth whereas little variations in its formation will usher in a wide range of minerals, which by itself is another world--still, in the service of mankind. This we call "JAMADAT" and they are made to fit in the Divine Order of things. They remain vulnerable to the vicissitudes of weather like the rest of creation, but ever ready for Divine Orders.

Over them is another level of creation called "NABATAT", the plant kingdom. It is a better form of creation and it takes service from "JAMADAT" Air, clay, water, the atmosphere, sunshine, moonlight, etc. are all in the service for their growth. They appear in the form of a variety of colors of flowers, beautiful trees, various kinds of vegetables, fruits, etc. Yet again we find another level of creation called "HAIWNAT" the animal kingdom, which remains too formidable to number

have been which remains too formidable to number animal kingdom,

تصوّف کیا نہیں؟

تصوّف کے لیے نہ کشف و کرامات شرط ہے نہ دُنیا کے کاروبار میں ترقّی دِلانے کا نام تصوّف ہے، نہ تعویذ گنڈوں کا نام ہے نہ جھاڑ پھونک سے بیماری دُور کرنے کا نام تصوّف ہے نہ مقدمات جیتنے کا نام تصوّف ہے، نہ قبروں پر سجدہ کرنے، ان پر چادریں چڑھانے اور چراغ جلانے کا نام تصوّف ہے اور نہ آنے والے واقعات کی خبر دینے کا نام تصوّف ہے نہ اولیاء اللہ کو غیبی ندا کرنا، مشکل کُشا اور حاجت رَوا سمجھنا تصوّف ہے، نہ اِس میں ٹھیکیداری ہے کہ پیر کی ایک توجّہ سے مُرید کی پُوری اِصلاح ہو جائے گی اور سلوک کی دَولت بغیر مجاہدہ اور بِدُون اِتّباعِ سُنّت حاصل ہو جائے گی۔ نہ اس میں کشف و اِلہام کا صحیح اُترنا لازمی ہے اور نہ وَجد و تواجد اور رقص و سرود کا نام تصوّف ہے۔ یہ سب چیزیں تصوّف کا لازمہ بلکہ عین تصوّف سمجھی جاتی ہیں حالانکہ ان میں سے کسی ایک چیز پر تصوّفِ اسلامی کا اِطلاق نہیں ہوتا بلکہ یہ ساری خرافات اِسلامی تصوّف کی عین ضد ہیں۔

(دلائل السُّلوک)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۶۰۷ — محرم/صفر ۱۴۱۰ھ بمطابق اگست/ستمبر ۱۹۸۹ء

ہماری مطبوعات

حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

○ تصوف

- تعارف — ۵/- روپے
- دلائل السلوک (اردو) — ۶۰/- روپے
- دلائل السلوک (انگریزی) — ۱۰۰/- روپے
- اسرار الحرمین — ۱۵/- روپے
- عقائد و کمالات علماءِ دیوبند — ۱۰/- روپے
- علم و عرفان — ۵/- روپے

○ حیات بعد الموت :

- سیف اویسیہ — ۱۰/- روپے
- حیاتِ برزخیہ — ۳۰/- روپے
- حیاتِ انبیاءؑ — ۱۵/- روپے
- حیاتُ النبیؐ — ۱۵/- روپے

○ شیعیت ۔ تحقیقی مطالعہ :

- الدین الخالص — ۳۰/- روپے
- ایمان بالقرآن — ۲۵/- روپے
- تحذیر المسلمین — ۴۰/- روپے
- تفسیر آیاتِ اربعہ — ۱۰/- روپے
- تحقیق حلال و حرام — ۱/- روپے
- حرمتِ ماتم — ۱۰/- روپے
- ایجادِ مذہبِ شیعہ — ۱/- روپے
- شکستِ اعدائے حسینؓ — ۱۰/- روپے
- دامادِ علیؓ — ۲/- روپے
- بناتِ رسولؐ — ۱۰/- روپے
- الجمال والکمال — ۱۰/- روپے
- عقیدۂ امامت اور اس کی حقیقت — ۵/- روپے

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

- اسرار التنزیل حصہ اول — ۶۰/- روپے
- اسرار التنزیل حصہ دوم (مجلد) — ۱۰۰/- روپے
- دیارِ حبیبؐ میں چند روز — ۱۰/- روپے
- ارشاد السالکین (اوّل) — ۱۵/- روپے
- ارشاد السالکین (دوم) — ۵/- روپے
- ارشاد السالکین (انگریزی) — ۱۵/- روپے
- امیر معاویہؓ — ۱۰/- روپے
- راہی کرب و بلا — ۵/- روپے
- عصرِ حاضر کا امام — ۵/- روپے
- شیعہ مذہب کے بنیادی عقائد — ۵/- روپے
- حیاتِ طیبہ (انگریزی) — ۱۰/- روپے
- نور و بشر کی حقیقت — ۵/- روپے

پروفیسر حافظ عبد الرزاق ایم اے اسلامیات و عربی

- ذکر اللہ (عربی) — ۵/- روپے
- لغزشیں — ۱۰/- روپے
- اطمینانِ قلب — -/- روپے
- تصوف و تعمیرِ سیرت — ۱۵/- روپے
- کس لیے آتے تھے؟ — ۱۰/- روپے
- خدایا ایں کرم بارِ دگر کن — ۱۰/- روپے
- بزمِ انجم — ۲۰/- روپے
- دین و دانش — ۱۰/- روپے
- کونوا عباد اللہ — ۵/- روپے
- انوار التنزیل — -/- روپے
- مغالطے — ۱۵/- روپے

سول ایجنٹ ◎ **اویسیہ کتب خانہ** ○ غزنی سٹریٹ ○ الوہاب مارکیٹ ○ اردو بازار لاہور